سلسلہ مطبوعات انجمن ترقی اُردو (ہند) دہلی نمبر ۱۶۱

ہمارا رسم الخط

از

جناب مولوی عبد القدوس صاحب ہاشمی

شائع کردہ

انجمن ترقی اُردو (ہند) دہلی

اُردُو، ناگری، اور لاطینی خطوں پر ایک نظر

اُردُو زبان جیسا کہ سب کو معلوم ہی، ہندستان میں مسلمانوں کے آنے کے بعد اس ضرورت کی بنا پر خود بخود پیدا ہوگئی کہ ہندو مسلمانوں کی اور مسلمان ہندوؤں کی زبان نہیں سمجھتے تھے، مسلمان انگریزوں کی طرح ہندستان میں تجارت کرنے اور دولت بٹورنے نہیں آئے تھے۔ وہ یہاں آئے تھے بسنے اور اس دیس کو اپنا دیس بنانے کے لیے۔ اس لیے ایسٹ انڈیا کمپنی کے تاجروں کی طرح لالاؤں اور ساہوکاروں کو واسطہ بنا کر صرف انھوں نے دولت بٹورنے کا کام نہیں کیا، بلکہ جلد از جلد بہت ہی تھوڑی مدت میں گھُل مل گئے اور لازماً ایک ایسی زبان پیدا ہوگئی جو دونوں قوموں کے باہمی تعلقات میں کام آسکے۔ اس لیے کہا جاسکتا ہی کہ اُردُو زبان نہ صرف ہندستان کی عمومی زبان ہی بلکہ مختلف قوموں کے صدیوں کے اتحاد کی مقدس یادگار ہی، اُردُو پر نہ تو مسلمانوں کا اجارہ ہی اور نہ ہندوؤں کی ملکیت، یہ ہندستان کی عام زبان ہی، ہندوؤں کی بھی، مسلمانوں کی بھی، پارسیوں کی بھی اور عیسائیوں کی بھی، اچھوتوں کی بھی، اور اعلیٰ ذات والوں کی بھی، غرض ان تمام انسانوں کی جو ہندستان کی سرزمین پر بستے ہیں۔ ہندستان میں بسنے والوں کے باہمی میل جول اور اتحاد و یک جہتی کا سب سے بڑا دشمن اور وطن کا سب سے بڑا غدار وہ شخص ہی جو اس مقدس یادگار کو چھوڑ کر

کوئی دوسری زبان اس ملک میں رائج کرنے کی کوشش کرے۔

اُردو کی پیدائش ہندستان کے لیے کوئی نیا واقعہ نہیں ہے۔ اس زمین پر پچھلے زمانے میں بھی بارہا دوسری قومیں آتی رہیں اور جب کوئی نئی قوم آئی تو کچھ دنوں کے بعد پرانی قوموں سے میل جول نے نئی زبان پیدا کر دی۔ تاریخ کے سیاہ پردوں میں نہ جانے کتنی ایسی قوموں کی داستانیں چھپی پڑی ہیں۔ مجھے نہیں معلوم کہ جب سے ہندستان آباد ہوا کتنی قوموں نے اس کو اپنا وطن بنایا۔ مگر جن دو چار قوموں کے حالات تاریخوں میں ملتے ہیں اس سے پتہ چلتا ہے کہ سب کے ساتھ یہی معاملہ ہوا۔ تبتو برمن شمال و مشرق سے ہمالیہ کی برفستانی چوٹیاں پھاندتے ہوئے ہندستان پہنچے۔ ان کی یادگار اب بھی ہمالہ کے دامن میں موجود ہے۔ کولارین ہمالہ سے اترے، بنگال میں آباد ہوئے۔ آسام کی وادیوں میں ان کے قبائل موجود ہیں۔ ڈراویڈین آئے، شمال سے حرکت کرتے ہوئے جنوب میں آکر آباد ہو گئے۔ یہ قومیں زبان مذہب، طرز معاشرت اور رسم و رواج میں ایک دوسرے سے بالکل مختلف تھیں، ان کے زمانوں میں بھی صدیوں کا فصل ہے۔ مسلمانوں اور آریوں کی طرح یہ بھی اپنی اپنی زبانیں ساتھ لے کر آئی تھیں۔ یہ زبانیں تبتی، کولاری ڈراویڈی وغیرہ کہلاتی ہیں۔ مگر دوسری قوموں سے میل جول نے ان کی زبانوں سے نئی زبانیں پیدا کر دیں۔ اسی طرح آج سے کوئی ڈھائی تین ہزار پہلے آرین قوم بھی ایشیا کے مغربی شمالی حصہ سے اٹھ کر ہندستان پہنچی، اپنے ساتھ ایک زبان بھی لائی، لیکن یہ زبان کوئی ادبی زبان نہ تھی، بول چال کی معمولی پراکرت تھی۔ چونکہ یہ قوم اپنے مذہبی خزانوں کو دوسری قوموں سے چھپانا چاہتی تھی اس لیے ایک رمزی قسم کی زبان بنائی گئی جو بولی تو نہ جا سکتی تھی لیکن ادبیات عالیہ اور مذہبی لٹریچر کے لیے وہ زبان کام آتی رہی، اس زبان کو سنسکرت کہا جاتا ہے۔

آریا قوم بہر حال یہاں بسنے آئی تھی اس لیے مجبور تھی کہ کوئی سبیل یہاں کی پرانی قوموں سے مفاہمت کی پیدا کرے اس لیے ایک نئی زبان ان کی رمزی زبان اور پراکرت سے ٹوٹ کر پیدا ہونے لگی مختلف وقتوں میں اس زبان پر مختلف اثرات نے کام کیے یہاں تک کہ جب مسلمان ہندستان میں آکر بسے اس وقت زبان ہندستان کے مختلف حصوں میں مختلف ناموں سے مشہور تھی، دوآبہ میں برج بھاشا یعنی برج کی زبان اور مشرقی صوبوں میں مگدی کہلاتی تھی۔

مسلمانوں نے جب اس دیس کو اپنا وطن بنایا تو جبہ و دستار ہی نہیں بلکہ اپنی مادری زبان بھی اس دیس کی نذر کر دی۔ بڑے تعجب کی بات ہے کہ وہ مسلمان جنھوں نے مصر کی زبان بدل دی، ٹیونس و الجزائر کی زبانیں بدل دیں، افریقہ و ایشیا کی بہت سی زبانوں کو مٹا کر عربی کا سکہ چلایا، نہ جانے کیا بات تھی کہ ہندستان میں اپنی زبان عربی و فارسی چھوڑ کر برج بھاشا کے ہو رہے۔ اُردو زبان اسی برج بھاشا کی صاف ستھری اور ترقی یافتہ شکل ہے۔ اگر کوئی مسلمان یا ہندو اس زبان کو لوٹا کر پچھلی شکل میں لانا چاہے تو اس کے یہ معنی ہیں کہ وہ ہوائی جہاز میں بیل جوت کر بیل گاڑی بنانا چاہتا ہے، یا نئی دہلی کی فلک بوس عمارتوں کو مسمار کر کے جھونپڑے تعمیر کرنا چاہتا ہے۔ ایسا شخص وطن کا غدار اور ملک کا دشمن ہے۔

ہم سب کا فرض ہے کہ اس زبان کو زیادہ سے زیادہ ترقی دے کر دوسری ترقی یافتہ زبانوں کی صف میں کھڑا کریں اور آسان سے آسان تر شکل میں اس کی تعلیم و طباعت کا انتظام کریں۔

زبان کی ترقی میں ایک اہم مسئلہ طباعت کا ہے۔ طباعت کی ترقی میں جو چیز سب سے زیادہ رُکاوٹ ثابت ہو رہی ہے وہ لیتھو گرافی یعنی پتھر کی طباعت ہے۔ دنیا میں فن طباعت نے اتنی ترقی کر لی ہے کہ ہم ان تمام جدید ترین آسانیوں سے

فائدہ اٹھائے بغیر اپنی زبان کو ترقی یافتہ زبانوں کی سطح تک نہیں لا سکتے۔ روٹری
پریس اور سلف کمپوزنگ مشینوں نے تو گویا پریس کی دنیا میں انقلاب ہی
کر دیا ہے۔ اگر ہم لیتھوگرافی کو خیر باد نہ کہ دیں تو ان ایجادات سے فائدہ نہیں
اٹھا سکتے۔

پتھر کی طباعت میں جو دقتیں ہیں ان کا بار غلط فہمی کی وجہ سے رسم الخط
کے سر تھوپ دیا گیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ بعض لوگوں نے اُردو رسم الخط کو بدل دینے کا
مشورہ پیش کیا۔ کسی نے ناگری کی مدح سرائی کی اور کوئی لاطینی کی تجویز پیش
کرنے لگا۔ میں نے ۱۹۳۱ء میں رسم الخط کے متعلق ایک تفصیلی مضمون
رسالہ 'ندیم' میں لکھا تھا۔ اس کے بعد سے سات آٹھ سال کی طویل و عریض
مدت میں ناگری، اُردو اور لاطینی خطوں پر مختلف حیثیتوں سے غور کرتا رہا۔
ناگری کتابوں اور رسالوں سے تو مجھے بچپن سے واسطہ ہے۔ رومن رسم الخط
میں چھپی ہوئی کئی پرانی کتابیں بھی کتب فروشوں سے حاصل کیں، ایسٹ انڈیا
کمپنی نے بھی ابتدا میں کچھ کتابیں رومن رسم الخط میں شائع کی تھیں۔ خوش قسمتی
سے یہ کتابیں بھی مجھے مل گئیں۔ اس بات سے قطع نظر کرتے ہوئے کہ اُردو کا
موجودہ رسم الخط بدل دینے کے بعد ہمارا اب تک کا سارا سرمایہ ادب عجائب
خانوں کی زینت ہو جائے گا، میں اپنے غور و فکر کی بنا پر اس نتیجے پر پہنچا ہوں
کہ اگر اُردو زبان یہی زبان ہے جو ہندستان میں رائج ہے تو اس کے لیے موجودہ
رسم الخط سے زیادہ بہتر کوئی دوسرا رسم الخط نہیں۔ مجھے اس سے انکار نہیں کہ
اُردو کا موجودہ رسم الخط اپنے اندر اصلاح کی گنجایش رکھتا ہے لیکن اسے چھوڑ کر ہم
دوسرا رسم الخط اختیار کر لیں تو ہماری دقتیں کئی گنا زیادہ ہو جائیں گی۔

کسی زبان کا رسم الخط کبھی اتنا مکمل نہیں ہو سکتا جتنا کوئی مفکر سوچ

سکتا ہی۔ اپنے رسم الخط کے ناقص ہونے کی شکایت دنیا کی ہر زبان کو ہی اس لیے
میں کہہ سکتا ہوں کہ دنیا کا ہر رسم الخط ناقص ہی بلکہ اُردو رسم الخط کی بہ نسبت
ناقص تر ہی۔ اگر کوئی شخص ٹھنڈے دل سے غور کرے تو میری طرح اسی نتیجہ پر
پہنچے گا کہ اُردو رسم الخط اصلاح پذیر ہونے کے باوجود دنیا کا سب سے زیادہ
مکمل رسم الخط ہی۔ اُردو زبان کے لیے رسم الخط کے مسئلہ پر بحث کرنے میں
ناگری و لاطینی رسم الخط کا سوال سامنے آتا ہی، اس وقت میں ان دونوں
خطوں کا اُردو رسم الخط سے مقابلہ کرنا چاہتا ہوں۔ سب سے پہلے
ناگری کو لیجیے۔

آج کل اُردو ناگری رسم الخط کا مسئلہ اخبارات و رسائل میں بار بار
زیر بحث آرہا ہی۔ میں دیکھتا ہوں کہ اس پر اپنی رائے کا اظہار فرمانے
والے یا تو ان میں سے ایک ہی رسم الخط سے واقف ہوتے ہیں یا پھر
توجہ کے ساتھ غور فرمانے کی زحمت گوارا نہیں فرماتے۔ اکثر اخبارات و
رسائل میں یہ بھی دیکھا ہی کہ اس مسئلہ پر اپنی رائے کا اظہار فرمانے والے
بعض وہ قابل احترام حضرات ہیں جو اگرچہ اپنی خصوصیات اور صلاحیتوں کے
اعتبار سے ہمارے واجب الاحترام رہنما ہیں مگر علم الاصوات وعلم الحروف
سے بالکل ناواقف ہونے کی وجہ سے وہ کچھ زیادہ وقیع رائے دینے کے
اہل نہیں ہیں۔ اس سے انکار نہیں کہ وہ سیاسیات پر اچھی نظر کے
مالک ہیں یا اقتصادی معلومات کے بڑے گراں بہا خزانے اپنے
دماغوں میں محفوظ رکھتے ہیں، مگر یہ بھی عجیب بات ہوگی کہ کسی مریض کی
دوا اور غذا کے متعلق کسی ماہر فن انجنیر یا کسی عمارت کی تعمیر کے متعلق
کسی تجربہ کار طبیب سے مشورہ کیا جائے۔

تیسری قسم اس مسئلہ پر رائے دینے والوں کی وہ ہی جو خود سوچنے یا سمجھنے کی مطلق صلاحیت نہیں رکھتی بلکہ کسی دوسرے شخص کے خیالات صرف اس لیے دہرائی رہتی ہی کہ ان کا رعب کسی وجہ سے اس پر طاری ہی۔ یہ حضرات اپنی طرف سے اس مسئلہ پر دوسروں کی رائے اس طرح پیش فرماتے ہیں جیسے آپ کی ساری عمر کے فکرو تجربہ کے نتائج ہوں حالانکہ وہ مسئلہ سے اسی قدر ناواقف ہوتے ہیں جیسے ایک عامی انسان۔

رسم الخط ہر ملک میں اس ملک کی مروّجہ زبان کی ضرورت کے لحاظ سے ہوا کرتا ہی۔ آپ دیکھیں گے کہ چینی اور جاپانی رسم الخط میں بعض الفاظ و نقوش کچھ خاص آوازوں کے ادا کرنے کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں جن کے مقابل دوسری زبانوں میں کوئی نقش آپ کو نہیں ملے گا۔ بظاہر وہ غیر ضروری معلوم ہوں تو ہوا کریں، حقیقتاً ان زبانوں کو ان کی اتنی ہی ضرورت ہی جتنی انگریزی زبان کو .B. D وغیرہ کی۔ انگریزی ہی میں ملاحظہ فرمایے: حرف .X بظاہر یہ معلوم ہوتا ہی کہ .S اور K کی مرکب آواز دیتا ہی اور K و S سے اس حرف کا کام لیا جاسکتا تھا۔ یہ حرف انگریزی رسم الخط میں بے ضرورت اور زائد ہی۔ لیکن ذرا غور سے توجہ فرمائیں تو معلوم ہوگا کہ ایسا نہیں ہی کیوں کہ K اور S کی مرکب آواز X کی آواز سے کسی حد تک مختلف ہوتی ہی۔ اسی طرح وہ نقوش یا حروف کسی رسم الخط میں نہیں پائے جاتے جن کی اس ملک کو ضرورت نہ ہو۔ مثلاً عربی میں ڑ، ڈ، ٹ، پ، چ، ژ، گ وغیرہ کی تلاش عبث ہی۔ عربی زبان کو ان حروف کی ضرورت نہیں۔ ایسے ہی ز، ذ، ظ وغیرہ حروف سنسکرت میں نہیں مل سکتے۔

یہ ہے وہ فطری وجہ جس سے تمام دنیا کے رسم الخط بنے اور جاری ہوئے۔
تمدن کی روز افزوں ضروریات نے لوگوں کو اس کی طرف متوجہ کیا اور آہستہ
آہستہ وقتاً فوقتاً اس میں اصلاح و ترمیم بھی ہوتی رہی اور برابر دنیا کے مختلف
رسم الخط میں یہ سلسلہ جاری ہے اور شاید ہمیشہ جاری رہے گا۔

ناگری خط

میں برسوں سے اُردو اور ناگری رسم الخط پر غور کر رہا ہوں
میں نے بہت سے مضامین بھی ہندی میں لکھے ہیں۔
ناگری خط سے مجھے عناد نہیں۔ لیکن پھر بھی میں یقین کرتا ہوں کہ ناگری
خط ایک نامکمل اور تکلیف دہ رسم الخط ہے۔ میری رائے میں زبان اور خط
کے مسئلہ پر جس نقطۂ نظر سے مسٹر گاندھی اور آنریبل سی راج گوپال چاریہ
غور کرتے ہیں وہ صحیح نہیں ہے۔ زبان ہندوؤں اور مسلمانوں کی نہیں
ہوا کرتی بلکہ کسی ملک یا دیس کی ہوتی ہے۔ آپ نے کبھی نہیں سنا ہوگا کہ
عراق کے مسلمان عربی اور عیسائی عبرانی یا کلدانی زبان بولتے ہیں اور
نہ آپ کے تصور میں یہ بات آسکتی ہے کہ بنارس کے مسلمان عربی اور
ہندو سنسکرت بولتے ہوں گے کیونکہ ایسا ہونا عقل کے خلاف اور
فطرت انسانی کے اقتضا کے بالکل منافی ہے ہر ملک کی زبان وہ ہوتی ہے
جس میں اس ملک کے رہنے والے، چاہے وہ کسی مذہب سے تعلق
رکھتے ہوں، بات چیت کیا کرتے ہیں اور وہی زبان ان کے لکھنے
پڑھنے اور تمام ضروریات میں استعمال کی جاتی ہے۔ پھر یہ کیسا صاف
جھوٹ اور کتنی غیر حقیقی بات ہے کہ اُردو کو مسلمانوں کی اور بھاشا کو ہندوؤں
کی زبان قرار دیا جائے۔ کیا آج کہیں ہندستان کے کسی حصے میں تلسی داس
کی رامائن والی یا خان خاناں کے دوہروں والی زبان بولی جاتی ہے۔

ہندی کے رسالوں میں جو زبان استعمال کی جاتی ہے وہ ہندستان کے
کسی حصے بلکہ کسی ایک گھرانے میں کہیں بولی نہیں جاتی۔ صدیاں گزریں
کہ وہ زبان ہندستان سے رخصت ہوگئی بالکل اسی طرح جیسے سرکاری
دفاتر سے فارسی ختم ہوگئی۔ اب جو زبان ہندستان میں رائج ہے اس کے
لیے کسی تشریح و توضیح کی ضرورت نہیں، سب جانتے ہیں کہ وہ وہی
زبان ہے جو ہندستان کے تمام شہروں میں اور شمالی ہندستان کے
شہروں اور دیہاتوں میں عام طور سے بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ کلکتہ، بمبئی،
یو۔پی، بہار، پنجاب، ناگپور جہاں جی چاہے بول کر، پوچھ کر دیکھ لیجیے
آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ ایک ہی زبان رائج ہے۔ لب و لہجہ کا معمولی
فرق تو پایا جائے گا مگر زبان میں کوئی بنیادی فرق نہ ہوگا۔

ان علاقوں میں جہاں اُردو یا ہندستانی زبان بولی جاتی ہے
آپ جانتے ہیں کہ ہندو، مسلمان عیسائی، پارسی، بدھ اور لا مذہب
سب ہی بستے ہیں لیکن سب کی الگ الگ زبانیں نہیں ہیں بلکہ ایک ہی
زبان ہے جس سے اپنے دل کی دوسرے کو سناتے اور دوسرے کی کہی
خود سنتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہو تو شاید آقا اور نوکر، باپ بیٹے اور دو پڑوسیوں
میں کبھی تبادلۂ خیالات ممکن نہ ہو۔

ظاہر ہے کہ ان حالات میں کوئی زبان یا رسم الخط کسی مذہب کے
ساتھ مخصوص نہیں ہو سکتا بلکہ ہر زبان اور ہر رسم الخط کسی دیس یا ملک سے
مخصوص ہوتا ہے۔ ہمارے کسی لیڈر کا یہ کہنا کہ اُردو مسلمانوں کی زبان ہے
اور قرآن مجید کے رسم الخط میں لکھی جاتی ہے اگر تعصب اور تنگ ظرفی
نہیں تو جہل اور ناسمجھی کی بات ضرور ہے۔

یہ بھی غلط ہی کہ کوئی زبان کسی دوسری زبان سے رسم الخط لے کر
کام چلائے۔ ایسا نہیں ہو سکتا دوسری زبان کے رسم الخط میں بہت سی
اصلاحات اور اضافے کر کے اپنا بنانا پڑے گا۔ تیسری صدی ہجری میں
جب فارسی نے عربی کا رسم الخط اپنی زبان کے لیے لیا تو اس میں کئی
حروف کے اضافے کیے گئے۔ فارسی کے لیے پہلے سے جو رسم الخط رائج
تھا وہ پیدا ہونے والی زبان کا ساتھ نہ دے سکا اس لیے مجبوراً اس کو
چھوڑ کر دوسری زبان کے رسم الخط میں اپنی ضرورت کے مطابق اضافے
کر کے اپنا بنانا پڑا۔ اسی طرح ترکی نے اپنا رسم الخط بدلا تو لاطینی رسم الخط
میں ۹-۱۰ حروف نقطوں اور نشانوں سے بنانے پڑے۔

آج جو رسم الخط دنیا کے مختلف ممالک میں رائج ہیں وہ سب کے
سب اپنی اصل کے اعتبار سے کسی نہ کسی مردہ زبان کے رسم الخط کی
اصلاح یافتہ شکلیں ہیں۔ دنیا میں جس قدر زبانیں پیدا ہوئیں اتنے ہی
رسم الخط نئے نئے پیدا نہ ہوئے بلکہ ایک رسم الخط دس زبانوں کے لیے تھوڑے
بہت تغیر کے ساتھ کارآمد بنایا گیا۔ لیکن یہ تھوڑا بہت تغیر اس قدر اہم
ہوتا ہی کہ اس کی وجہ سے وہ اصلاح شدہ رسم الخط اسی زبان کا مخصوص
رسم الخط ہو جاتا ہی اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ کوئی دو زبانیں بعینہٖ ایک رسم الخط
میں نہیں لکھی جاتی ہیں بلکہ ہر زبان کسی قدیم رسم الخط کو اصلاح و ترمیم کر کے
اپنی ضرورت کے موافق بنا لیتی ہی

ہندستان میں بھی یہی ہوا۔ سنسکرت آپ جانتے ہیں کہ ہندستان
کی بولی کبھی نہ تھی، مقدس اشلوکوں کی خاص علمی زبان تھی۔ عوام سے اس کا
کبھی تعلق نہیں تھا۔ شمالی ہندستان میں عوام اس وقت ایک ملی جلی سی زبان

بولا کرتے تھے جس کے پاس کوئی رسم الخط نہ تھا۔ مقدس نوشتوں کے لیے جو سنسکرت میں تھے ، ایک رسم الخط رائج تھا جس کی اصلاح شدہ شکل موجودہ دیوناگری اور سادہ شکل بہار کا کیتھی رسم الخط ہے۔ جب پالی نے رواج پایا ، پالی رسم الخط بھی ساتھ آیا۔ جیسے سنسکرت کا رسم الخط قدیم سامری رسم الخط سے ماخوذ تھا ، اسی طرح پالی کا رسم الخط ہندستان کے بعض قدیم رسم الخط کے اقتران سے پیدا کیا گیا۔ جب پالی رخصت ہوئی برج بھاشا نے اپنا بستر بچھایا۔ پالی رسم الخط سے کام نہ چل سکا۔ رسم الخط بھی ساتھ ساتھ رخصت ہو گیا۔ قدیم رسم الخط کی شکلیں درست کی گئیں۔ اصلاح و ترمیم ہوئی ، دیوناگری کے نام سے ایک رسم الخط بنا۔ یہ بولی جب تک بولی جاتی رہی رسم الخط اس کے لیے کام آتا رہا۔ شیخ محمد جائسی اور عبدالجلیل بلگرامی کے دور تک چلے آئیے آپ دیکھیں گے کہ فارسی رسم الخط کے متعارف اور دفتری رسم الخط ہونے کے باوجود بھاشا کا سرمایۂ ادب سب کا سب ناگری میں لکھا جاتا رہا۔

اُردو یا کھڑی بولی جب دکن سے نکل کر شمالی ہندستان میں پھیلی تو اس کے لکھنے کے لیے رسم الخط کا مسئلہ سامنے آیا اور ٹھیک وہی سوال پیدا ہوا جو برج بھاشا کے ابتدائی دور میں پیدا ہوا تھا۔ پالی رسم الخط جیسے برج کے لیے کارآمد ثابت نہ ہو سکا اُردو کے لیے بھی بھاشا کے رسم الخط سے کام چلتا نظر نہ آیا۔ گرد و پیش نظر کی گئی تو سب سے زیادہ آسان اور متعارف رسم الخط فارسی کا نظر آیا۔ ٹ ، ڈ ، ڑ وغیرہ بڑھا کر اپنا بنایا اور کام لیا اور جیسے بھاشا کے شاعروں تلسی داس اور سور داس نے اپنے دواوین کو فارسی رسم الخط میں لکھنے کی کوشش نہ کی

اسی طرح لعل چند رنگین اورنگ آبادی اور دیا شنکر نسیم لکھنوی نے اپنے کلام کا مجموعہ ناگری میں نہ لکھا۔ اگر خدانخواستہ ایسا کرتے تو ان کے پڑھنے کے لیے کچھ دنوں کے بعد شاید کسی ماہرِ فن خطوط کی ضرورت ہوتی اور جس زبان کے وہ شاعر تھے اس زبان کے لکھے پڑھے آدمی کے بس کی بات نہ رہتی۔

اُردو رسم الخط اگرچہ فارسی رسم الخط سے لے کر بنایا گیا ہے لیکن اسے بعینہ فارسی کا رسم الخط نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ اگر نسبت اصل کی طرف ہی منظور ہے تو ہندی رسم الخط کو بھی سنسکرت بلکہ اور قدیم سامری رسم الخط کہا کیجیے کیونکہ تاریخ کا وسیع علم رکھنے والے جانتے ہیں کہ ناگری میں اپنا اس سے زیادہ حصہ نہیں جتنا اُردو رسم الخط میں اپنا اُردو کا حصہ ہے۔

جب اُردو کے لیے فارسی رسم الخط میں تغیر و تبدّل کیا جا رہا تھا تو اس وقت کے لوگوں نے بھی ان ہی خیالات کے ماتحت جو تجدّد پسند مصلحین کے سامنے ہیں اس کام کو شروع کیا تھا۔ اور فارسی رسم الخط میں ضروری تغیرات کے بعد اس کی صلاحیت پیدا کر دی کہ ہماری زبان کے تمام مروجہ الفاظ اور ان دوسری زبانوں کے الفاظ کو جن سے ہمیں اپنے فرہنگ کی تکمیل کے لیے الفاظ لینے پڑتے ہیں، نہایت آسانی کے ساتھ ادا کر سکے۔ ہمیں اس وقت دیکھنا یہ ہے کہ پچھلی صدیوں کے ہندستانیوں کی یہ تجویز کس قدر کامیاب رہی۔ اگر واقعۃً وہ کامیاب رہے تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم اپنی نادانی اور کج فہمی سے یہ صدیوں کا سرمایہ اور ہندو مسلمانوں بلکہ کسی حد تک انگریزوں کا بھی یہ قرنوں کا نتیجۂ عمل برباد کر دیں۔ اگر ہم نے اپنی نادانی سے کوئی انقلاب خط میں کر دیا تو اب تک کا

سارا کارنامہ آیندہ نسلوں کے لیے سرمایۂ ادب نہیں بلکہ آثار قدیمہ کے نشانات ہو جائیں گے اور کتابیں کتب خانوں سے نکل کر عجائب خانوں میں جگہ پائیں گی۔ آیندہ صفحات سے آپ انشاء اللہ بہ آسانی سمجھ سکیں گے کہ یہ لوگ اس تجویز میں ناکام نہیں رہے اور جو زبان ہندستان کے طول و عرض میں بولی اور سمجھی جاتی ہے اس کے لیے موجودہ اُردو رسم الخط سے زیادہ آسان مفید اور کارآمد کوئی دوسرا رسم الخط نہیں ہو سکتا۔

ہاں اگر مردہ زبان سنسکرت یا مردہ بھاشا کو ہندستان میں زندہ کر کے تاریخ کا سب سے پہلا تجربہ کرنا ہے اور آہستہ آہستہ ہندستان کی روزمرہ کی زبان کو سنسکرت زبان بنانا چاہتے ہیں جو کبھی کسی زمانے میں روزمرہ کی زبان نہ تھی تو یہ ایک الگ مسئلہ ہے جس پر کسی اور فرصت میں کچھ عرض کیا جا سکے گا لیکن اگر اسی زبان کو زندہ رکھنا ہے جسے ہم آپ سب بولتے ہیں اور جسے گاندھی جی "ہندی ہندستانی" کے مہمل مرکب سے یاد فرماتے ہیں تو آپ یقین فرمائیں کہ اس کے لیے ناگری یا لاطینی رسم الخط کامیاب نہیں ہو سکتا۔ क پر نقطہ لگا کر क़ اور ज پر نقطہ لگا کر ज़ تو بنا لیا جا سکتا ہے مگر ء کی آواز اور ن ۔ ہ ، ل ۔ ہ ، کی مرکب آوازوں کے لیے کیا سبیل نکالی جائے گی۔

فرض کیجیے کہ ان آوازوں کے لیے کچھ نقوش اور وضع کر لیے گئے بھی تو کسی رسم الخط میں جو آسانیاں مد نظر رکھی جاتی ہیں وہ صرف نقوش اور آواز کی مطابقت ہی تو نہیں ہوتی بلکہ رسم الخط میں اور کئی چیزیں غور طلب ہوتی ہیں اور ایک رسم الخط پر کئی حیثیتوں سے غور کیا جاتا ہے۔ آواز و حروف کی مطابقت کے سوا یعنی :-

تعلیم کی آسانیوں کے اعتبار سے۔
طباعت کی سہولت کے اعتبار سے۔
جگہ محنت اور وقت کے اعتبار سے بھی غور کیا جاتا ہی۔

ضرورت ہی کہ اُردو اور ناگری دونوں رسم الخط پر ان تمام حیثیات سے غور کریں، پھر دیکھیں کہ کون سا رسم الخط ہماری زبان اور ہمارے ملک کے لیے مفید، آسان اور کارآمد ثابت ہوتا ہی ورنہ ضد اور بالک ہٹ میں پڑ کر ہم اپنے ملک کو نقصان پہنچانے کے سوا کیا پائیں گے۔

آج ہندی کے رسالوں کی جو روش ہی وہ اگر ایک اور نسل تک جاری رہی تو یقین فرمائیے کہ انگریزی زبان اور خط کو ہندستان میں ضروری بنانے میں ان کا سب سے بڑا حصہ ہوگا اور دو صوبوں میں نہیں بلکہ ایک ہی شہر کے دو آدمیوں میں خط و کتابت کے لیے انگریزی کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہے گا کیونکہ وہ زبان جو ان رسالوں کے ذریعہ پیدا کی جارہی ہی، وہ ہندستان کی عمومی زبان انشاء اللہ کبھی نہ ہوسکے گی اور اُردو سے دشمنی جو سمیلن کے جھمیلوں نے پیدا کی ہی وہ رسم الخط کو عوام سے چھڑانے میں اگر کامیاب ہوگئی تو بتائیے کہ ایک شہر کے دو آدمی انگریزی کے سوا کس خط و زبان میں مراسلت کریں گے؟

دنیا میں اگر زندہ رہنا ہی اور زندوں کی طرح اپنی زبان و قلم سے کچھ کام لینا ہی تو ٹھنڈے دل سے بغیر ضد اور غصے کے جذبات کی آمیزش کے سوچیے اور غور فرمائیے، ہٹ اور تنگ ظرفی سے، تعصب اور کینے سے بلند و بالا رہ کر سوچیے کہ اس قسم کی تحریکیں اور کوششیں بال ہٹ اور نقصان دہ ضد سے زیادہ کوئی حیثیت رکھتی ہیں؟

اُردو اور ناگری دونوں خطوں پر مختلف حیثیتوں سے غور فرمائیے۔ تفصیل بڑی فرصت اور وسعت چاہتی ہی اس لیے صرف بعض حیثیتوں اور وہ بھی بہت غیر تفصیلی طور پر اس صحبت میں کچھ عرض کرتا ہوں، ملاحظہ فرمائیے۔ ان میں بہت ہی تھوڑے نمونے پیش کیے گئے ہیں۔ اس سے زیادہ کے لیے نہ تو مجھے فرصت ہی اور نہ گنجائش۔

آواز و حروف

سب سے پہلے نقوش اور آوازوں کی مطابقت کو لیجیے۔ لاطینی رسم الخط کا ذکر آگے آئے گا۔ پہلے ناگری رسم الخط کو لیجیے۔ یہ رسم الخط بھی باوجود ترمیم و اضافہ کے ہماری زبان کی تمام آوازوں کو ادا نہیں کر سکتا۔ بلا شبہہ یہ تلسی داس جی کی رامائن اور عبدالرحیم خان خاناں کی ست سئی کی آوازیں کسی حد تک ادا کر سکتا ہی، مگر سوچیے تو آج ہندستان کی وہی زبان ہی جو اس وقت تھی۔ آج اس باغ میں کیتکی اور کدم کے پھولوں کے ساتھ گلاب و یاسمین بلکہ کہیں کہیں ولایتی کروٹن بھی موجود ہیں۔ انھیں نکال کر الگ پھینک دینے کا خیال نادانی ہی۔ دنیا کی تمام زبانوں میں ضرورت اور حالات کے مطابق دوسری زبانوں کے الفاظ ملتے رہتے ہیں۔ کوئی زبان انھیں یک دم نکال نہیں سکتی۔ ترکی میں جس کے بارے میں عربی و فارسی کے الفاظ نکال دینے کی بڑی کوشش کی گئی، ہزاروں اس کے اپنے ہو کر باقی رہ گئے۔ کوئی ترکی اخبار پڑھ کر دیکھ لیجیے ما سینکڑوں الفاظ دوسری زبانوں کے ملیں گے۔ عربی جس پر دوسری زبانوں کا اثر نسبتاً کم پڑا ہی، فارسی اور دوسری زبانوں کے بیسیوں الفاظ اپنے ذخیرۂ لغات میں رکھتی ہی۔

غرض کہ اُردو سے بھی وہ اجنبی الفاظ جواب اجنبی نہیں رہے بلکہ اس کے اپنے ہو چکے ہیں نکالے نہیں جا سکتے، تو ضرورت ہے ایسے رسم الخط کی جو ان تمام آوازوں کو جو اندرونی اور بیرونی الفاظ کے اس مجموعہ کے لیے ملک میں رائج ہیں، آسانی سے ادا کر سکے۔ اس ضرورت کے لیے ناگری رسم الخط کافی نہیں ہے۔

ناگری میں ۳۷ حروف صحیح (وینجن) ۱۶ حروف علت (سور) اور ۱۶ ماترائیں یعنی اعراب ہوتے ہیں، یہ کل ۶۹ نقوش ہوئے۔ ان پر ۵ ان حروف کا اضافہ کیجیے جو خ، ز، غ، ف، ق کی آوازوں کے لیے نقطے لگا کر بنائے گئے ہیں، کل (۷۴) حروف تہجی ہوئے۔ اس اتنے بڑے مجموعہ میں ل، ہ اور ن، ہ کی مرکب آواز کے لیے کون سی ترکیب ہے؟ مثلاً ننھا اور لفظ کولھو میں ل کے ساتھ ہ کی اور ن کے ساتھ ہ کی مرکب آواز پیدا ہوتی ہے۔ ناگری میں باوجود اس قدر کثیر حروف تہجی کے اس کے لیے کوئی سامان نہیں ہے۔ آج کل جس طرح لکھتے ہیں وہ چند ویدی دوارکا پرشاد شرما کی ڈکشنری ہندی شبدارتھ پاریجات سے نقل کرتا ہوں۔ کولھو काल्हू اور ننھا नन्हा لیکن ان سے جو آواز پیدا ہونا چاہیے وہ کول ہو اور نن ھا ہے، مرکب آواز نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اسی لغت میں हिन्दी ہندی اور تلپ तल्प بمعنی بستر کے لیے وہی ٹکڑے استعمال کئے گئے ہیں۔ اصل میں ناگری حروف کے ٹکڑے صرف ان حروف کے ساکن ہونے کو بتاتے ہیں۔ مرکب آوازوں کے لیے الگ الگ حروف ہوتے ہیں جیسے کھ ख گھ घ وغیرہ، مگر لام اور ن کی اس طرح ھ سے مرکب آواز کے لیے کوئی حرف موجود نہیں ہے۔

اسی طرح دکھاؤ، بلاؤ یعنی اُردو میں جو آواز ہمزہ اور واؤ سے ادا کی جاتی ہے اس کے لیے ناگری میں کوئی نقش موجود نہیں ہے۔ ہمزہ اور واو سے جو آواز پیدا ہوتی ہے وہ یقیناً الف اور واؤ کے مرکب سے مختلف ہے لیکن ناگری رسم الخط میں کوئی سبیل اس کے ادا کرنے کی موجود نہیں 'بلااو' یا 'دکھااو' لکھنا پڑے گا۔

س، ص، ث کی آوازیں اُردو میں اگرچہ مختلف نہیں ہیں مگر ان میں معانی کے اعتبار سے بڑا فرق ہے۔ اگر اس فرق کو ختم کر کے ناگری حرف स سے کام لیا گیا تو ہم انیر اور اسیر کے باہمی فرق معانی سے محروم ہو جائیں گے۔ اُردو رسم الخط میں ص، ث، ض وغیرہ کے موجود ہونے کی وجہ سے ہمارے لیے ابتدا سے اب تک بڑی آسانیاں رہی ہیں اور ہماری فرہنگ میں بہت سے الفاظ دوسری زبانوں سے اس آسانی کے ساتھ منتقل ہو گئے کہ آج ہر اُردو داں جو فارسی یا عربی سے بالکل ناواقف ہو وہ بھی ان الفاظ کی وجہ سے اپنے خیالات خوبصورت سلیس اور سلجھی ہوئی عبارت میں ادا کرنے پر قادر ہے۔ بظاہر اگرچہ یہ ہم آواز حروف غیر ضروری معلوم ہوتے ہیں مگر معانی کی وسعت اور الفاظ کی فراوانی کا جو صلہ ہمیں ان کی وجہ سے ملتا ہے وہ رسم الخط میں ان حروف کے بوجھ کے مقابلے میں بہت زیادہ ہے۔

یہ اُردو زبان میں انوکھا عیب نہیں ہے بلکہ دنیا کی اکثر و بیشتر زبانوں میں یہ چیز پائی جاتی ہے۔ ہمارے ایک فاضل انشا پرداز نے ابھی کچھ دن ہوئے لکھا تھا کہ وہ اب تک بعض الفاظ کا املا صحیح نہیں لکھ سکتے اور ص کی جگہ س لکھ دیتے ہیں۔ لیکن ان کو یاد نہیں

رہا کہ دنیا کی تقریباً تمام زبانوں میں الفاظ کے لیے مخصوص املا ہوا کرتا ہی انگریزی میں تو یہ بہت زیادہ ہی۔ کہیں Ture Char کی آواز دیتا ہی اور کہیں KH 'CH کی۔ ناگری میں بھی یہ بات اُردو سے کچھ زیادہ پائی جاتی ہی श' ष' स' न حروف ایک دوسرے کی جگہ نہیں استعمال کیے جا سکتے اور جیسے صندوق کی بجائے سندوق اُردو میں غلط سمجھا جاتا ہی ناگری میں بھی कृष्ण کے بجائے करीशान غلط سمجھا جائے گا۔ اور انگریزی میں بھی Station کے بجائے Steshan غلط سمجھا جائے گا۔ یہ کسی زبان کا عیب نہیں ہی بلکہ اس کی خوبی ہی۔ ان آوازوں کے علاوہ اور بھی بہت سی آوازیں ہیں جو ادا نہیں ہو سکتی ہیں مگر ان کی فہرست طویل ہی اور شاید پڑھنے والوں کے لیے بار ہو جائے گی۔ اس لیے میں نے انھیں چھوڑ دیا ہی۔ غور کرنے سے ہر اس شخص کو معلوم ہو سکتی ہیں جو دونوں کے رسم الخط سے واقف ہی۔

تعلیم ہمارے سامنے دوسرا مسئلہ تعلیم کا مسئلہ ہی۔ ناگری رسم الخط پر اس حیثیت سے بھی غور کرنے کی ضرورت ہی۔ میں نے اپنے بعض احباب سے جو ناگری رسم الخط سے ناواقف ہیں۔ بارہا یہ سنا ہی کہ ناگری دو دن میں سیکھی جا سکتی ہی۔ لیکن ان کا یہ فرمانا بطور واقعہ نہیں بلکہ محض لطیفہ کی طرح ہوتا ہی۔ ان میں سے بعض نے دس بیس دن تک محنت کی لیکن لکھنے پڑھنے پر قادر نہ ہو سکے۔ اس وقت انھیں معلوم ہوا کہ وہ جو سمجھ رہے تھے وہ ناواقفیت اور غلط فہمی تھی۔ ابھی کچھ دنوں کی بات ہی کہ میرے ایک دوست کے ساتھ یہی قصہ ہوا

اور ان کو تقریباً ۳ ماہ تک محنت کرنے کے بعد یہ اقرار کرنا پڑا کہ ناگری خط کے سیکھنے کے بارے میں وہ غلط فہمی میں مبتلا تھے۔

اصل بات یہ ہے کہ اُردو رسم الخط جب ہم نے سیکھا تھا ہم بچے تھے اور ظاہر ہے کہ اس وقت رفتار ترقی اور سمجھنے کی صلاحیت پختہ عمر سے بہت کم تھی۔ اب جوان ہونے کے بعد دو چار حروف ناگری کے جب ہم جلدی سے سیکھ لیتے ہیں اور اپنا نام لکھنے کے قابل ہو جاتے ہیں تو اس مدت کا مقابلہ بچپن کی مدت تعلیم سے کرتے ہیں اور فیصلہ صادر فرماتے ہیں کہ اُردو رسم الخط سیکھنے میں زیادہ وقت اور محنت صرف ہوتی ہے۔ حالانکہ اس وقت جب کہ ہم نے اُردو خط سیکھا تھا نہ تو ہمیں اتنی سمجھ تھی اور نہ اتنا دھیان سیکھنے پر دیتے تھے۔

ابھی کچھ دنوں کی بات ہے کہ ایک صاحب نے اُردو کے لیے لاطینی رسم الخط تجویز کرتے ہوئے اپنی دانست میں بڑا سخت اعتراض اُردو رسم الخط پر کیا تھا کہ وہ اب تک کبھی کبھی س کی جگہ ص لکھ دیا کرتے ہیں۔ میں نہیں سمجھ سکا کہ یہ اعتراض اُردو رسم الخط پر عاید ہوتا ہے یا ان کے علم و فضل پر۔ ان حضرت کو یاد نہ رہا کہ ابتدائے تعلیم میں انھوں نے انگریزی الفاظ کا املا کتنی بار غلط لکھا تھا اور آج کتنی بار ڈکشنری کی مدد لیے بغیر ان کو صحیح املا لکھنا نصیب ہوتا ہے۔ افسوس کہ شاید وہ بیچارے ناگری سے حرف شناس نہیں ورنہ انھیں معلوم ہوتا کہ ناگری میں اُردو سے بھی زیادہ پابندی کے ساتھ श، ष، न، ण کا فرق قائم رکھنا پڑتا ہے اور جب تک صحیح املا معلوم نہ ہو کوئی شخص ایک سطر صحیح عبارت نہیں لکھ سکتا۔ اور لکھنا تو الگ رہا اگر صحیح املا معلوم

نہ ہو تو ایک سطر پڑھ بھی نہیں سکتا۔ اگر خدا نخواستہ اس میں مبالغہ معلوم ہو تو ناگری حروف صحیح ۳۷، حروف علت ۱۶، ماترا ۱۶ اور پانچ خ، غ وغیرہ والے منقوط حروف کل ۳، نقوش جو ناگری کے پورے حروف ہجا ہیں، کسی سے ایک بڑے تختہ کاغذ پر لکھوا لیجیے! پھر ان کی مدد سے کسی ہندی رسالہ کی صرف سرخیاں ہی پڑھنے کی کوشش فرمایئے۔ معلوم ہو جائے گا کہ حروف ترکیب کے وقت اتنی طرح طرح کی شکلیں بدلتے ہیں کہ سیکڑوں جگہ ان کی اصلی شکلوں کا کوئی نشان باقی نہیں رہتا۔ اُردو میں قاعدہ ہے کہ کوئی حرف جب کسی دوسرے حرف سے ملتا ہے تو ملنے والے حرف کا ابتدائی حصّہ آخری کشش کو نکال کر قائم رکھا جاتا ہے جو پڑھنے والوں کو اپنی اصلی شکل یاد دلاتا ہے مثلاً جسم میں ج کا اور س کا ابتدائی حصّہ اور میم کامل موجود ہے۔ لیکن ناگری میں یہ ضروری نہیں ہے حرف ج، ز جب مرزا मिर्ज़ा میں لکھا جائے اپنی اصلی شکل اس طرح بدل دے گا کہ لفظ کے آخری حصے پر اوپر کو ایک قوس نما نشان بن جائے گا۔ ملاحظہ فرمایئے کہ حرف ج سے (ॅ) اس نشان کو کیا نسبت ہے اور جب تک کوئی شخص صحیح املا نہ جانے کیسے پڑھ سکتا ہے۔

اُردو میں انجمن حمایت اسلام لاہور کا قاعدہ، خواجہ حسن نظامی دہلوی کا قاعدہ اور ہندی میں ہندی پہلی پستک رام نرائن لال الہ آباد، ہندی پرائمر اور ہندی اُردو مالا مصنفہ فاضل پنڈت ہری ہر شاستری پروفیسر انچارج سنسکرت جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن اس وقت میرے سامنے ہے۔ تعلیمی نقطہ نظر سے غور کرنے پر جو نتائج ناگری

اور اُردوُ رسم الخط کے متعلق نکلتے ہیں وہ حسب ذیل ہیں - میں کوئی ماہر فن تعلیم نہیں ہوں اور نہ مجھے بچوں کی تعلیم کا کوئی عملی تجربہ ہے مگر ظاہری نظر سے جو معلوم ہو سکا ہے وہ پیش ہے - آپ خود غور فرماکر فیصلہ کر سکتے ہیں کہ دونوں رسم الخط میں سے کون سا رسم الخط آسانی سے سیکھا سکھایا جا سکتا ہے -

اُردوُ رسم الخط کے سکھانے کا یہ طریقہ عام طور سے مقرر ہے - سب سے پہلے اُردوُ کے ۳۴ حروف تہجی کی شکلیں ذہن نشین کرائی جاتی ہیں - یہ شکلیں بہت ہی آسان اور سادے ہندسی خطوط سے بنی ہوئی ہیں کسی تختی یا کاغذ کے چار رخ ہو سکتے ہیں (۱) ا (۲) — (۳) / (۴) \ اور نقطے کی تین شکلیں • • ▬ ہوتی ہیں. اُردوُ کے سارے حروف تہجی ان ہی چار قسم کی لکیروں اور نقطوں سے مرکب ہیں - اس لیے بڑی آسانی سے ذہن نشین ہو جاتے ہیں. میں نے بعض ننھے بچوں کو بھی جو ذرا ذہین تھے دو ایک گھنٹوں میں یاد کرتے دیکھا ہے اس کے بعد ان نو حروف کو چھوڑ کر جو کبھی کسی دوسرے حرف سے نہیں ملتے بلکہ دوسرے حروف ان سے ملتے ہیں بقیہ ۲۵ حروف کو ۴ گروہوں میں تقسیم کر لیا گیا ہے اور ہر گروہ میں سے دو ایک حرف کو تمام حروف سے ملا کر ٹکڑوں کی شکلیں ذہن نشین کرادی جاتی ہیں - ان ۳۴ حروف میں سے ۱۴ حروف تو وہ ہیں جن کی شکلیں الگ نہیں ہوتی ہیں بلکہ صرف نقطوں کے فرق سے بنتی ہیں - اس یکسانی کی وجہ سے شکلوں کے یاد رکھنے میں بڑی آسانی ہوتی ہے - اس کے بعد دو حرفی، سہ حرفی، چار حرفی

الفاظ اور جملے پڑھا کر مشق کرا دی جاتی ہے۔ اور چھوٹی تقطیع کے ۱۶
صفحات کا ایک قاعدہ ختم کر لینے کے بعد جو ایک جوان آدمی کے لیے
دو تین دن اور بچے کے لیے دس بیس دن کی محنت چاہتا ہے، ایک
طالب علم اُردو کی تمام صاف لکھی ہوئی عبارتیں پڑھنے لگتا ہے۔
اب اس کے آگے مشق و روانی کا درجہ ہے جو عادت و کام پر منحصر ہے۔

دوسری طرف ناگری رسم الخط کو لیجیے۔ سب سے پہلے ۱۶ حروف
علّت سکھائے جاتے ہیں جن کی شکلیں نہایت غیر متناسب اور الجھی
ہوئی ہیں۔ بچّہ تو بچّہ کسی جوان آدمی کو بھی جلدی یاد نہیں ہو سکتی ہیں۔
شاید آپ اسے مبالغہ سمجھیں اس لیے یہ حروف لکھے جاتے ہیں۔

अ आ इ ई उ ऊ ऋ ॠ ऌ ॡ ए ऐ ओ औ अं अः

یہ ہیں ناگری حروف میں سور یعنی حروف علّت۔ ان شکلوں کو یاد
رکھنا ایک بچے کے لیے ا ب ج د کی بہ نسبت کس قدر مشکل ہے۔
اس کے لیے خود ان شکلوں سے زیادہ قوی کوئی دلیل نہیں ہو سکتی۔

اس کے بعد حروف صحیح یاد کرائے جاتے ہیں جو ۳۷ اصلی اور
۵ منقوط جدید حروف یعنی کل ۴۲ ہیں۔ یہ حروف ایک دوسرے
سے اس قدر مختلف شکل و صورت کے ہیں کہ یادداشت کے لیے
ان کی گروہ وار تقسیم ممکن نہیں۔ شکلیں ان کی بھی حروف علّت کی شکلوں
کی طرح الجھی سی ہیں۔ نمونے کے لیے دو تین حروف لکھے جاتے ہیں۔

جھ. झ کش क्ष گین ज्ञ त्र

اس کے بعد ۱۶ ماترا یعنی اعراب بتلائے جاتے ہیں۔ پھر ان حروف
کے ساتھ استعمال کرنے کے طریقے بتائے جاتے ہیں۔ لیکن چونکہ

یہ اعراب تمام حروف صحیح کے ساتھ ایک ہی طرح نہیں لگائے جاتے بلکہ بعض کے ساتھ لگانے کے خاص طریقے ہیں اس لیے ان کو ہر ہر حرف کے ساتھ لگا کر مشق کرائی جاتی ہے۔ مثلاً धूप دھوپ میں پیش کا نشان حرف ध کے نیچے لگایا گیا ہے۔ مگر रूप روپ میں یہی نشان حرف र کے وسط میں ایک چھوٹی سی لکیر کے ذریعے جوڑا گیا ہے۔

اس کے بعد حروف کی شکلوں اور ان کے ایک دوسرے سے ملنے کا مرحلہ آتا ہے۔ ایسے حروف کو ہندی میں سنجگت انچھر کہتے ہیں۔ یہ مرحلہ طالب علم کے لیے بہت ہی مشکل اور نہایت پریشان کن ہے۔ اور سنجگت انچھر کا وجود ناگری رسم الخط کے عیوب میں سب سے بڑا عیب ہے۔ اکثر اساتذہ نے صرف اس کے لیے سو سو صفحات کی الگ مستقل ریڈریں لکھی ہیں اور کم از کم میں نے تو آج تک بیسیوں ریڈریں ہندی کی دیکھیں مگر کسی میں یہ نہ پایا کہ پہلی ریڈر میں اسے بتا دیا گیا ہو۔ سب سے اچھی شکل ان ٹکڑوں کے مشق کرانے کی فاضل پروفیسر ہری ہر شاستری عثمانیہ یونیورسٹی نے اختیار کی ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ رسم الخط کی بنیادی خرابی کو دفع کر دینا پروفیسر موصوف کے بس کی بات نہ تھی اس لیے پروفیسر صاحب کو بھی اس کے لیے اپنی کتاب کا پورا دوسرا حصہ وقف کر دینا پڑا۔ اس میں فاضل مصنف نے تقریباً پونے دو سو شکلیں مختلف حروف کے ان ٹکڑوں کی بتائی ہیں جو ان کے کسی دوسرے حرف سے ملنے یا کسی دوسرے حرف کے ان سے ملنے سے پیدا ہوتی ہیں۔ میں بھی فاضل پروفیسر کے اس بیان کی تصدیق کرتا ہوں کہ ہندی کی

پوری لیاقت صرف اسی وقت ہوسکتی ہی جب انسان حروف صحیح کے
ملاپ سے اچھی طرح واقف ہوجائے۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ جب تک
یہ تمام شکلیں اچھی طرح یاد نہ ہوں نہ ایک سطر عبارت لکھ سکتا ہی اور
نہ پڑھ سکتا ہی۔

نظرثانی کرنے میں غالباً فاضل پروفیسر کو بھی اقرار کرنا پڑے گا کہ بعض
شکلیں سنجگت حروف کی اتنی لمبی فہرست میں بھی درج ہونے سے رہ گئی ہیں۔
مثلاً ابتدا بہ سکون اور التقائے ساکنین کی جو شکلیں سنجگت حروف میں
ہوتی ہیں وہ اس میں درج نہیں ہوسکی ہیں۔ مثلاً घृष्ट دھرشٹ घपद् وغیرہ۔

اس کے بعد نون کی آواز اور غنہ کی آواز کی مشق کرائی جاتی ہی
کیونکہ ناگری میں یہ دونوں آوازیں کئی جگہ کئی طرح سے ادا کی جاتی
ہیں اور اس کے لیے بہت مخصوص قسم کے قاعدے مقرر ہیں، اگرچہ
وہ قاعدے بھی کلیات نہیں ہیں۔ ان آوازوں کے لیے جو مخصوص طریقہ
کسی لفظ کے لیے مقرر ہی، دوسرے لفظ میں اسے غلط سمجھا جائے گا۔
مثلاً चाँद چاند، पतङ्ग پتنگ، हिन्दी ہندی، डण्डा ڈنڈا، व्यञ्जन
وینجن وغیرہ وغیرہ۔ ان سب مرحلوں کے بعد اُردو کے ص، س،
ض، ظ کی طرح श، प، ङ، ण، न وغیرہ کے استعمال کا فرق باقی
ہی رہ جاتا ہی جو الفاظ کے صحیح معنی کی یاد اور صحیح املا کی مشق پر منحصر ہی۔

میں نہیں سمجھتا کہ مجھے کوئی رائے پیش کرنے کی ضرورت ہی۔
ہر شخص بخوبی سمجھ سکتا ہی کہ اُردو اور دیوناگری رسم الخط میں سے کون سا
رسم الخط ہماری تعلیمی ضرورت کے لیے مفید اور سہل ہی۔ میں جس
زمانے میں پاٹ شالہ میں پڑھتا تھا، میں نے دیکھا ہی کہ ابتدائی عمر کا

بڑا حصّہ صرف کرنے کے باوجود طلبہ آسانی سے ہندی لکھنے پڑھنے پر قادر نہ تھے اور خود گرو جی بھی غالباً اپنی یہ کمزوری چھپانے کے لیے ہر عبارت کو لحن سے گا گا کر پڑھایا کرتے تھے۔

طباعت دوسرا اہم سوال طباعت کی آسانیوں کا ہے۔ جدید دنیا میں مطابع کی اہمیت روز بروز بڑھتی جا رہی ہے اور آج ہر ملک اپنے مطابع کو قوی تر بنانے پر تلا ہوا ہے۔ ہندستان میں جب پہلے پہل مطابع کا رواج ہوا تو ہماری ساری کوششیں متداول درسی کتابوں تک محدود تھیں مانوس اور متعارف خط نستعلیق تھا۔ اسی خط میں لیتھو کی طباعت نے رواج پکڑا۔ حتّٰی کہ عربی کتابیں بھی خط نسخ کی بجائے نستعلیق میں چھپنے لگیں اور ہم نے اس پر اتنا زور دیا کہ پچھلی صدی کے نصف آخر میں جب کہ مصر کا مشہور مطبع امیری بولاق ٹائپ میں عربی کتابیں چھاپ رہا تھا، ہم نسخ اور نستعلیق دونوں خطوں میں لیتھو سے کتابیں چھاپا کرتے تھے۔ اُردو تو اُردو، عربی کے لیے بھی ہندستان میں اب تک لیتھوگرافی رائج ہے اور ٹائپ کا کام بہت تھوڑا ہے۔

لیتھوگرافی کو بعض وجوہ کی بنا پر ترجیح دی جا سکتی ہے۔ لیکن بحیثیت مجموعی یہ ٹائپ کی بہ نسبت وقت طلب ہے۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ اُردو کو ٹائپ کی طباعت اختیار کرنا چاہیے۔ لیتھوگرافی کو فائن آرٹ پرنٹنگ تک محدود رکھا جائے تو حرج نہیں۔ مگر عام مطبوعات کے لیے اسے رائج رکھنا نقصان دہ ثابت ہوگا۔

نسخ و نستعلیق کا قضیہ ایک ہی رسم الخط کے مختلف نمونوں کا قضیہ ہے۔

ہمیں اس جگہ دیکھنا صرف یہ ہے کہ دیوناگری اور اردو رسم الخط میں سے کس رسم الخط کی طباعت زیادہ آسان ہے۔ اس مسئلہ پر غور کرتے ہوئے ہمارے سامنے کئی سوال آتے ہیں جن میں سب سے اہم ٹائپ رائیٹر مشین کی کامیابی اور ٹائپ کے مطبعی حروف کی کامیابی کا مسئلہ ہے۔ ناگری حروف میں چونکہ ماترائیں یعنی اعراب حروف کے اوپر نیچے اور بغل میں تینوں جگہ لگائے جاتے ہیں اور ٹائپ رائیٹر مشین میں اوپر اور نیچے نشان لگانے کی کوئی ترکیب نہیں ہو سکتی اس لیے ٹائپ رائیٹر مشین ناگری رسم الخط کے لیے کامیاب نہیں ہو سکی۔ اس کے لیے بڑی کوششیں کی گئیں مگر جو مشین بن کر تیار ہوئی وہ ایسی ہے کہ خط ٹائپ کرنے کے بعد ماترائیں قلم سے لگانی پڑتی ہیں۔ میرے پاس متعدد دوستوں کے خطوط کبھی کبھی ہندی ٹائپ رائیٹر سے ٹائپ کیے ہوئے آئے ہیں۔ ان سب کا یہی حال ہے۔ کئی سال ہوئے، ایک مرتبہ میں نے ٹائپ رائیٹر خریدنے کا ارادہ کیا اس سے پہلے ہندی ٹائپ رائٹر کے دیکھنے بلکہ کچھ ٹائپ کرنے کا اتفاق بارہا ہو چکا تھا۔ میں نے سوچا کہ ایسے ٹائپ رائٹر سے زیادہ آسان قلم سے لکھنا ہے۔ پھر بھی میں نے متعدد اداروں سے خط و کتابت کی کہ شاید کوئی صورت اصلاح کی نکل آئی ہو۔ مگر مجھے جو جوابات ملے وہ حد درجہ مایوس کن تھے۔ معلوم ہوا کہ اس میں کامیابی کی کوئی امید نہیں کیونکہ اس کی راہ میں ماتراؤں سے بھی بڑی رکاوٹ سنجگت حروف کی ہے۔ چونکہ یہ ٹکڑے حروف سے اوپر، نیچے بیچ میں اور بغل میں طرح طرح سے ملتے ہیں اس لیے ضرورت ہے کہ اتنے تمام ٹکڑے ٹائپ رائٹر میں لگائے جائیں اور

ظاہر ہی کہ اس قدر کثیر التعداد ٹکڑوں کی گنجائش ٹائپ رائٹر مشین میں
نہیں ہو سکتی اس لیے کار آمد اور صحیح ٹائپ رائٹر مشین ناگری رسم الخط
کی نہیں بن سکتی ۔ اس وقت جو ناکام مشین موجود ہی وہ صرف بڑے
بڑے اداروں میں بطور دل چسپی موجود ہی ؛ نہ تو اس سے کام لیا جاتا ہی
اور نہ وہ کام دے سکتی ہی ۔

اُردو کی ٹائپ رائٹر مشین ہر جگہ صحیح کام دے رہی ہی ۔ اس کے
متعلق کسی بیان کی ضرورت نہیں ۔ ہر شخص جانتا ہی کہ بڑے بڑے
دفتری اور نجی کام اس سے بے تکلف ہو جاتے ہیں ۔

ٹائپ کے مطبعی حروف کی کامیابی کا دار و مدار ان کے
ٹکڑوں کی کمی، تعداد کمپوز کی آسانی اور کاغذ کی کفایت پر ہی ۔ اُردو
حروف ناگری سے بہت ہی کم جگہ لیتے ہیں ۔ ان کی باہمی نسبت تقریباً
۶۳ اور ۱۵۰ کی پڑتی ہی ۔ یعنی ایک عبارت جو اُردو حروف میں ۶۳
سطروں میں آسکتی ہی وہ ناگری حروف میں ۱۵۰ سطروں میں آتی ہی ۔
کمپوز کی آسانی کے لیے ٹکڑوں کا کم سے کم ہونا ضروری ہی اور یہ
بھی ضروری ہی کہ تمام ٹکڑے یکساں ایک طرح کے ہوں ایک
دوسرے کے نیچے اوپر لگائے جانے والے نہ ہوں ورنہ کمپوزیٹر
کی دقتیں بڑھ جانے کے علاوہ غلطیوں کا احتمال بھی بڑھ جاتا ہی
اور پروف ریڈر کی محنت بھی بڑھ جاتی ہی، وقت زیادہ صرف ہوتا ہی
اور کام کی رفتار سست ہو کر مطبوعات کی لاگت میں اضافہ ہو جاتا ہی ۔

اُردو میں بشمول ہمزہ و لا کل ۳۷ حروف تہجی ہوتے ہیں ۔
جن میں سے ا، د، ڈ، ذ، ر، ڑ، ز، و، لا ۹ حروف کبھی کسی حرف سے

نہیں مل سکتے اس لیے ان کی صرف دو شکلیں ہوتی ہیں (۱) جب وہ مفرد استعمال ہوں (۲) جب ان میں کوئی دوسرا حرف ملے۔ بقیہ ۲۵ حروف کی چار چار شکلیں ہوتی ہیں۔

(۱) جب وہ کسی حرف سے ملیں۔

(۲) جب وہ کسی لفظ کے بیچ میں واقع ہوں۔

(۳) جب وہ کسی لفظ کے آخر میں واقع ہوں۔

(۴) جب وہ مفرد استعمال کیے جائیں۔

یہ سب کل ۱۱۸ ٹکڑے ہوئے۔ کچھ ٹکڑے حسن و خوب صورتی قائم رکھنے کے لیے بنا لیے جاتے ہیں، کچھ مرکب ٹکڑے سہولت کے لیے تیار کر لیتے ہیں۔ غرض ۱۸۰ ٹکڑوں میں پورا ٹائپ ہو جاتا ہے۔ اس وقت تک جدید ترین صورت جو تیار ہو سکی ہے وہ ۱۸۰ ٹکڑوں میں ہے اور بہت ہی خوبصورت اور ضرورت کے لحاظ سے مکمل ہے۔ اس میں جوڑوں کی مختلف شکلیں جو جا پڑی اور حسن خط کے لیے ضروری ہیں، سب موجود ہیں۔

اب ذرا ناگری ٹائپ کو لیجیے۔ اس کے مندرجہ ذیل ٹکڑے ہوتے ہیں:-

۳۷ حروف صحیح

۱۶ حروف علت

۱۶ ماترائیں

۲۳۰ سنجگت کے ٹکڑے یعنی حروف کی شکلیں جو مختلف جوڑوں میں استعمال کی جاتی ہیں کل ۲۹۹۔

یہ ۲۹۹ ٹکڑے تو حروف کے ضروری ٹکڑے ہوئے، مگر چونکہ

کمپوزیٹر کی آسانی کے لیے زیادہ استعمال ہونے والے مرکب ٹکڑے بھی ضروری ہیں - اس لیے اکھنڈ یعنی مرکب شکلیں جنھیں انگریزی میں لیگیچر کہا جاتا ہی، ناگری ٹائپ کے لیے بہت سی رکھی جاتی ہیں اس طرح پورا سسٹ تقریباً ۶۰۰ ٹکڑوں پر مشتمل ہوتا ہی-

پھر ایک دقت ناگری رسم الخط میں یہ بھی ہی کہ اکثر ماترائیں حروف کے نیچے یا اوپر لگائی جاتی ہیں اور کمپوزنگ میں یہ صورت ممکن نہیں ہوتی اس لیے بیشتر حروف مع حرکات کے ڈھال لیے جاتے ہیں۔ اگرچہ کیکا بھائی ٹائپ فونڈری بمبئی اور گجراتی ٹائپ فونڈری بمبئی کے رائج ٹائپوں میں اس کا حل نکالا گیا ہی اور تقریباً ہر ٹائپ فونڈری نے اپنے ٹائپوں میں اسے اختیار بھی کر لیا ہی، مگر اس سے کمپوزیٹر کی محنت بہت بڑھ جاتی ہی اور وقت کا خون ہوتا ہی- وہ حل یہ ہی کہ ایک ٹائپ کو ۳ غیر متساوی ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا گیا ہی- مثلاً اگر پریم प्रेम لکھنا ہو تو اس کے پہلے حرف प्र میں کئی ٹکڑے جوڑے جائیں گے اور اگر ۱۲ پوآئنٹ کے حروف کمپوز کیے جا رہے ہوں تو ۹ پوائنٹ کا ٹکڑا اور ۳ پوائنٹ کا سادہ نیچا ٹکڑا ملا کر مرکب حرف اور اس کے اوپر ۹ پوائنٹ کا ٹکڑا حرکت کا اور اس کے بغل میں ۳ پوائنٹ کا سادہ نیچا ٹکڑا لگایا جائے گا- اس سے کمپوزیٹر کا کام تقریباً پانچ گنا بڑھ جاتا ہی اور رفتار کارگزاری کم و بیش ⅘ کم ہو جاتی ہی - ان دقتوں کی وجہ سے عموماً حروف مع حرکات استعمال کیے جاتے ہیں جن کی تعداد سیکڑوں سے زیادہ ہوتی ہی اگر وہ حروف مرکب صورت میں استعمال نہ کیے جائیں تو

جن الفاظ میں تین تین ٹکڑے جوڑے جاتے ہیں ان کی کمپوزنگ عموماً غلط ہو جاتی ہے۔ مجھے خود بارہا اس کا تجربہ ہوا ہے اور صرف دو دو صفحوں کے مضامین میں اصلاح کرتے کرتے پریشان ہو گیا ہوں۔

ان کثیر التعداد ٹکڑوں اور کمپوزنگ کی ان دقتوں کی وجہ سے کمپوزنگ پر لاگت بھی زیادہ آتی ہے اور کارگزاری بھی کم ہوتی ہے۔

عام ضرورت

تیسرا سوال ہماری روزمرہ کی دفتری اور نجی ضروریات کا ہے۔ ناگری رسم الخط پر اس حیثیت سے بھی غور کیا جانا چاہیئے اور دیکھنا چاہیے کہ اگر ہم ناگری رسم الخط اختیار کرلیں تو ہماری دقتیں کچھ زیادہ تو نہیں ہو جاتی ہیں۔

جو خط آسانی سے صحیح لکھا جا سکتا ہو اور تیزی سے صحیح پڑھا جا سکتا ہو وہ کامیاب خط سمجھا جائے گا۔ اُردو رسم الخط ایک قسم کی مختصر نویسی ہے، ناگری سے بہت جلد لکھا جا سکتا ہے اور ناگری سے دگنی تیزی کے ساتھ پڑھا جا سکتا ہے۔ لکھنے کا قاعدہ نہایت مکمل طور سے مرتب ہے۔ ہر طرح کی خط و کتابت اور تحریریں کم وقت اور کم محنت سے کام نکالا جا سکتا ہے۔ بہ خلاف اس کے ناگری رسم الخط میں خود سنسکرت اور بھاشا کے الفاظ لکھنے کا قاعدہ تک پوری طرح مرتّب نہیں ہے۔ اس وقت میرے سامنے ایک بہت بڑے فاضل سنسکرت داں کی مطبوعہ کتاب موجود ہے اس میں ایک لفظ پنڈت کو تین جگہ تین طرح سے لکھا گیا ہے۔ (۱) पन्डीत (۲) पंडित (۳) पण्डित اسی طرح اس کتاب میں لفظ دکن کو کہیں दक्कन کہیں दक्खिन اور کہیں दच्छिन لکھا گیا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے کہ املا کا

یہ فرق صرف ایک مصنف کی ایک ہی کتاب سے لیا گیا ہے۔ اس رسم الخط کے متعلق کوئی کہہ سکتا ہے کہ جو کچھ اس نے لکھا ہے وہ صحیح ہے اور جو کچھ وہ پڑھ رہا ہے وہ غلط نہیں ہے؟

آپ یقین فرمائیں کہ فاضل مصنف کے فضل وکمال کا انکار آفتاب کے نور اور شب کی سیاہی کا انکار ہوگا۔ چوٹی کے سنسکرت دانوں میں یہ مصنف بھی ہے۔ سنسکرت میں ایم۔ اے پاس کیا ہے اور جو کچھ لکھا ہے، بالکل صحیح لکھا ہے۔ مگر اس کو کیا کیجیے کہ اس رسم الخط میں لکھنے اور پڑھنے کا قاعدہ صحیح طور سے مرتب نہیں ہے۔

دوسری دقت جس کی وجہ سے لکھی تو لکھی ناگری میں چھپی ہوئی تحریر بھی تیزی سے صحیح طور پر پڑھی نہیں جا سکتی، یہ ہے کہ حروف کے ٹکڑے جہاں پر لکھے جاتے ہیں وہاں پر پڑھے نہیں جاتے۔ مثلاً سپردھا सपधा کہ اس میں ترتیب حروف س، پ، ا، ر، د، ھ، ا، رہے اور ترتیب صوتی س، پ، ا، ر، د، ھ، ا ہوتی ہے۔ اسی طرح اعراب جب مرکب حروف پر لگائے جاتے ہیں تو لگائے کسی کے ساتھ جاتے ہیں اور پڑھے کسی کے ساتھ مثلاً क्लेश کلیش کہ اس میں زیر کا نشان جو بظاہر क پر لگا ہوا ہے ल پر پڑھا جائے گا جس کا ایک ٹکڑا क کے نیچے جوڑ دیا گیا ہے۔

کسی عبارت کے پڑھنے میں آنکھیں اپنا کام زبان سے کچھ پہلے انجام دیتی ہیں اور جب پڑھنے والا کسی عبارت کے پہلے لفظ کو پڑھتا ہے تو اس اتنا میں کہ وہ لفظ اس کی زبان سے ادا ہو آنکھ دو تین لفظ آگے کے دیکھ کر دماغ کو پہنچا دیتی ہے اور دماغ اسے زبان سے

جاری کراتا ہی۔ نقوش اور اصوات کے اختلاف ترتیب کی وجہ سے
یہ بات ناگری رسم الخط میں نہیں ہو سکتی اس لیے ناگری میں لکھی ہوئی
عبارت تیزی سے نہیں پڑھی جاتی ہی۔

کسی عبارت کو جلد لکھ لینے کے لیے ضروری ہی کہ اس کے الفاظ
کے لیے کم سے کم نقوش بنائے جائیں ورنہ جتنی زیادہ خدمت قلم کو
انجام دینی پڑے گی اتنی ہی کم رفتار کتابت کی ہوگی ۔ اب ذرا لفظ
"رہبر دکن" ناگری میں لکھیے रहबरे दकिन مقابلہ فرمائیے کہ قلم کو اُردو
کی بہ نسبت کتنا زیادہ کام کرنا پڑا اور کاغذ کا کتنا زیادہ حصّہ صرف ہوا۔
کتنی نادانی ہوگی کہ ہم اپنی روز مرّہ کی ضروریات میں یہ رسم الخط
استعمال کریں ۔

یہ ہی ناگری رسم الخط کی دقتوں کا مختصر بیان۔ زیادہ تفصیل کی
نہ تو ضرورت ہی اور نہ موقع ۔ خدا نخواستہ اس بیان سے میرا مقصد
صرف عیوب گنوانا نہیں (ورنہ فہرست اس سے بہت زیادہ طویل
ہوتی) بلکہ میرا مقصد یہ ہی کہ بعض اُردو داں احباب جو سمجھتے ہیں
کہ ناگری رسم الخط آسان ہی یہ صحیح نہیں ہی۔ ان پر واضح ہو جانا چاہیے
کہ ناگری رسم الخط اس قابل ہرگز نہیں کہ اسے ہندستان کی عام زبان
کا رسم الخط قرار دیا جا سکے ۔ مجھے معلوم ہی کہ اُردو رسم الخط میں باوجود
بیش بہا خوبیوں کے کچھ عیوب بھی ہیں جن کی اصلاح کی طرف
ہمیں توجہ کرنی چاہیے ۔ مگر اس کا یہ حل کسی طرح نہیں ہی کہ اس سے
زیادہ مشکل اور ناکام رسم الخط اختیار کر کے اپنی دقتوں میں اضافہ کر لیں۔
پنڈت جواہر لال نہرو کی رائے ہی کہ ہندی اور اُردو دونوں کو

پھولنے پھلنے کا موقع دیا جائے اور جو شخص ان میں سے کسی ایک رسم الخط کی حمایت کرتا ہی وہ فرقہ پرست ہی۔ مجھے اس بیان کے دوسرے جز سے اتفاق نہیں کیونکہ اگر یہ کلّیہ صحیح تسلیم کرلیا جائے تو مہاتما گاندھی جی مہاراج کی ہندی ساہتیہ سمیلن کے متعلق مساعی جمیلہ کو کیا کہا جائے گا؟

میں نے جو کچھ لکھا ہی وہ زبان اور اس کے رسم الخط پر محض رسم الخط کے حسن و قبح کی بنا پر لکھا ہی۔ میرے نزدیک اس وقت قوموں کی روایات اور ان رجحانات کا کوی سوال نہیں ہی اگرچہ میں ان سوالوں کو جواہر لال جی کی طرح نامحدود اور غیر ضروری نہیں سمجھتا کہ واقعات اور حقائق کی دنیا تصورات اور لیکچروں کی دنیا سے بہت مختلف واقع ہوئی ہی۔ چند افراد کی روایات و رجحانات سے الگ کرکے انھیں دوسری جگہ کھڑا کیا جا سکتا ہی، مگر پوری قوم کو اس کی روایات اور اس کے رجحانات سے نہیں ہٹایا جا سکتا۔ لیکن پھر بھی کم از کم اس وقت میرے پیش نظر صرف آسانی اور خوبی کا سوال ہی۔ حمایت اور مخالفت دونوں میری حد نظر سے اس وقت باہر ہیں۔ میرا مخلصانہ مشورہ ہی کہ ہندستان کے تمام ہندی ادارے اس رسم الخط کو سنسکرت کا مخصوص رسم الخط قرار دیں اور مذہبی تعلیم کا لازمی جز سمجھیں جیسا کہ ہمیشہ سے یہ ہندستان میں رہا ہی۔ میں اس رسم الخط کو ہندوؤں کے لیے اتنا ہی ضروری سمجھتا ہوں جتنا ان کے لیے سنسکرت اور مسلمانوں کے لیے عربی زبان کو کہ مذہب مشرق کے لیے چھوڑ دینے کی چیز نہیں۔ باقی رہی

ہندستان کی مروّجہ بولی تو اس کے لیے اُردو رسم الخط سب سے اچھا رسم الخط ہی۔

لاطینی خط

دوسرا سوال لاطینی رسم الخط کا ہی۔ بار بار یہ کہا جا رہا ہی کہ اُردو کے لیے لاطینی رسم الخط اختیار کر لیا جائے تاکہ طباعت میں آسانی ہو جائے اور حرکات کی دقت سے بھی چھٹکارا ملے۔ اس میں بھی وہی ہوا ہی کہ پتھر کی طباعت کا سارا بوجھ اُردو رسم الخط پر ڈال دیا گیا ہی ورنہ کوئی دقت ہی نہ تھی۔ مصریوں کی طرح ہمارے پریس بھی ترقی یافتہ ہوتے اور جاپان کی طرح ہمارے اخبار بھی ہزاروں نہیں لاکھوں کی تعداد میں چھپ سکتے۔ لیکن لاطینی رسم الخط انگریزی اور دوسری یورو پین زبانوں کے لیے کارآمد ہوگا۔ ہماری زبان کے لیے کارآمد نہیں۔ میں اس رسم الخط کے بارے میں جو کچھ سمجھ سکا ہوں وہ بہت اختصار کے ساتھ آپ کے سامنے رکھ دیتا ہوں۔ خود ملاحظہ فرما لیجیے کہ اُردو کے لیے لاطینی رسم الخط بہتر ہوگا یا نہیں؟

آواز و حروف

خط لاطینی جب کہا جاتا ہی تو اس سے مراد یوروپین زبانوں کا موجودہ رسم الخط ہوتا ہی۔ سب کو معلوم ہی کہ لاطینی زبان مدت ہوئی کہ ختم ہو گئی۔ آج دنیا کے کسی حصے میں کہیں نہیں بولی جاتی۔ کہتے ہیں کہ روما کے گرد و نواح میں کوئی قبیلہ لاطین نام کا آباد تھا، یہ زبان اصل میں اسی قبیلے کی زبان تھی۔ رومن سلطنت کی ترقی کے ساتھ پھیلی۔ پھلی اور پھولی۔ رومن شہنشاہیت کے پارہ پارہ ہو جانے کے ساتھ ہی زبان بھی

پارہ پارہ ہوگئی آج براعظم یورپ کی تمام زبانوں میں لاطینی الفاظ پائے جاتے ہیں مگر لاطینی زبان ختم ہوگئی۔ اب رہی سہی جو کتابیں اس زبان میں رہ گئی ہیں ان کا یہ حال ہے کہ انگریز انگریزی تلفظ میں پڑھتے ہیں اور فرانسیسی فرنچ تلفظ میں۔ اطالیہ کو اصرار ہے کہ ان حروف کا صحیح تلفظ اطالوی زبان میں ہے اور یونانی مدعی ہیں کہ صحیح ہم ادا کرتے ہیں۔ ایک حرف علت O کو لیجیے۔ انگریز گولائی لیے ہوئے بلند آواز نکالتے ہیں، کبھی محض زبر کی اور کبھی ان دونوں سے مختلف محض واو ماقبل ضمہ کی، لیکن اطالوی کہتے ہیں کہ اس کی صحیح آواز الف مقصورہ کی ہے۔ چنانچہ ان کے یہاں اس کی یہی آواز رائج ہے۔ اسی طرح حرف V انگریزی میں صرف واو کی آواز دیتا ہے اور جرمن میں 'ف' کی۔ H انگریزی زبان میں کبھی (ہ) کی آواز دیتا ہے اور کبھی بے آواز رہتا ہے مگر اطالوی زبان میں یہ حرف 'کاف' کی ذرا پُر آواز دیتا ہے۔ اس لیے یہ کہنا کہ لاطینی رسم الخط اختیار کر لیا جائے اس وقت تک کوئی معنی نہیں رکھتا جب تک یہ واضح نہ کر دیا جائے کہ یورپ کی موجودہ زبانوں میں سے آواز کے بارے میں کس کا طریقہ اختیار کیا جائے گا اور اگر ایسا نہیں تو یہ طے کر دیا جانا چاہیے کہ ہم اپنی زبان کے لیے حروف کی آوازیں خود متعین کریں گے، اس بارے میں کسی زبان کی پیروی نہیں کی جائے گی کیونکہ لاطینی رسم الخط، لاطینی زبان کی آوازیں کھو چکا ہے اور ایک ہی حرف مختلف بولیوں میں مختلف آوازیں دیتا ہے۔

میں سب سے پہلے، پہلی شکل کو لیتا ہوں۔ یعنی اُردو کے لیے
لاطینی رسم الخط اختیار کرتے ہوئے ہم انگریزی، اطالوی، فرانسیسی،
جرمن، اسپینش یا یونانی زبانوں میں سے آواز کے بارے میں
کسی ایک کی پیروی کریں۔ مثلاً انگریزی زبان کو نمونہ بنائیں اور
اسی پابندی کے ساتھ اُردو زبان کو لکھا جائے تو ہمیں دیکھنا پڑے گا
کہ حروف اور آواز کے درمیان صحیح تطابق بھی رہتا ہی یا نہیں کیونکہ
انگریزی زبان میں جتنی آوازیں ہیں اُردو زبان میں اس سے کہیں زیادہ
آوازیں پائی جاتی ہیں۔ انگریزی میں حروف صحیح کل اکیس (۲۱) مگر
آوازیں چونتیس (۳۴) ہیں۔ باقی تیرہ (۱۳) آوازوں کے لیے
مختلف قسم کے مرکبات سے کام لیا جاتا ہی مثلاً Ch چ، Sh ش،
Th ث یا ذ وغیرہ۔ اور پانچ حروف علت ہیں جن سے سولہ (۱۶)
آوازیں پیدا کی جاتی ہیں۔ ان کا کوئی قاعدہ مقرر نہیں ہی بلکہ
تلفظ کے بارے میں صرف سماعیات پر بھروسہ کرنا پڑتا ہی جیسے
A- Father، Fan اور Day میں E-Me، Mend اور Here میں I-
Tide، Pin اور Machine میں O- Pot، Bold، Storm میں۔
U-Tub، Put، Tub اور Burn میں۔ ان آوازوں کو
ممتاز کرنے کے لیے تین طرح کے نشانات ڈکشنریوں میں رائج ہیں
لیکن U پر ایک چوتھی طرح کا نشان بھی استعمال کیا جاتا ہی کیونکہ یہ
حرف مختلف الفاظ میں چار آوازیں دیتا ہی۔

انگریزی کے تین حروف C، X اور V کی ہمیں ضرورت
نہیں لیکن چ کی آواز کے لیے C کو رکھنا پڑے گا۔ اس طرح کل

(۳۴) حروف ہم کو ملیں گے - ان میں غ، خ، ت، ش، ڑ اور د کے لیے چھ حروف کا اور اضافہ فرمائیے، کل (۳۰) حروف ہوتے ہیں۔ ان ۳۰ حروف سے اُردُو زبان کی تمام آوازیں ادا نہیں ہو سکتیں۔ اُردُو زبان میں (۸۲) آوازیں ہیں جو ہمارے موجودہ رسم الخط سے مفرد و مرکب صورتوں میں ادا کی جاتی ہیں اور بعض میں حرکات سے کام لیا جاتا ہے۔ مفرد جیسے با، مرکب جیسے بھا اور حرکات سے جیسے آ، بھ، پھ وغیرہ کے لیے تو انگریزی حروف میں بھی حرف H ملاکر مرکب تیار کیا جائے گا، مگر حرکات کے لیے رومن تحریر کے نشانات کے بغیر کام نہیں چل سکتا اور اس صورت میں ہم اُردُو حروف پر اعراب لگانے سے کم وقت میں نہیں پڑتے۔ پھر رسم الخط بدلنے سے ہمارا کیا فائدہ ہوا؟ ہم لکھنے پڑھنے اور طباعت میں اس سے کم ٹکڑوں سے کام نہیں لے سکتے۔

اگر رسم الخط بدل کر ٹھیک اسی طرح لکھا گیا جیسا کہ آج رومن تحریر میں لکھا جاتا ہے تو موجودہ رسم الخط کی بہ نسبت زیادہ مشتبہ اور وقت طلب رہے گا۔ اگر آپ اس کا نمونہ دیکھنا چاہیں تو لاطینی رسم الخط میں چھپی ہوئی کتاب ملاحظہ فرمائیں ۱۹۲۳ء میں ایک کتاب Aenimal Maenejment کے نام سے شائع ہوئی تھی، اس کا ایک نسخہ اس وقت میرے سامنے ہے۔ اس کتاب کے صفحہ ۳۳ پر ایک عبارت اس طرح لکھی ہوئی ہے:-

yeh bara chhota bedaul ya maddham hota hai

یہ بڑا چھوٹا بے ڈول یا مدھم ہوتا ہے

اسی کتاب میں مندرجۂ ذیل الفاظ اس طرح لکھے ہوئے ہیں :-

Ghora, Ghor Khub, Chhup, Abdulhai

عبدالحی چھپ خوب غور گھوڑا

Zakhm, Kharab,

خراب زخم

اس سے قطع نظر کرکے کہ مندرجہ بالا تحریر میں جگہ محنت اور وقت زیادہ صرف ہوا ہی۔ صرف اس بات پر غور فرمائیے کہ آوازیں تمام ادا ہوگئیں یا نہیں ؟ اور التباس لفظی کی کتنی گنجائش رہتی ہی۔ ت ٹ ، ڈ ڈ رڑ، کھ خ، گھ غ، واو اقبل ضمہ اور صرف ضمہ سب ایک دوسرے سے مل گئے۔ نام عبدالحی کو اس طرح لکھا گیا کہ جملہ خبریہ "عبدل ہی" اور نام عبدالحی میں کوی فرق باقی نہ رہ سکا۔

اگر اُردو کے لیے لاطینی رسم الخط اختیار کرنے کا یہی مطلب ہی تو کہہ سکتا ہوں کہ اس کا پڑھنا تو غیر اُردو داں بلکہ اچھے اردو داں کے سوا دوسروں کے لیے بہت زیادہ مشکل ہی۔ مندرجۂ بالا کتاب ۱۴۸ صفحات پر مشتمل ہی اور ہر ہر صفحہ بلکہ ہر سطر ایسے التباس سے بھری پڑی ہی جس کے پڑھنے کے لیے اُردو کے الفاظ و معانی کا یاد رہنا ضروری ہی۔

دوسری شکل یہ ہی کہ حروف و آوازیں تطابق ہم خود قائم کریں۔ کسی دوسری زبان کی آوازوں کا خیال ہی نہ آنے دیں تو اس کے لیے لاطینی رسم الخط کی ہی کیا تخصیص ہی۔ چینی و جاپانی، عبری و سریانی خطوں سے بھی یہی کام لیا جا سکتا ہی، بلکہ تمام دنیا کے خطوں کو چھوڑ کر ایک بالکل نیا اور اچھا رسم الخط ایجاد کیا جا سکتا ہی جس میں لاطینی حروف کی

طرح التباسات نہ ہوں۔ لیکن واضح رہے کہ ہم جو خط بھی بنائیں گے اس کے حروف کی تعداد ۵۲ سے کم نہیں ہوسکتی۔ اس کے تعلیم وتحریر وغیرہ میں جو دقتیں ہوں گی وہ ظاہر ہیں۔

دنیا کی کسی زبان کی آوازوں پر غور فرمائیے تو معلوم ہوگا کہ آوازوں کی ابتدائی اور بڑی دو قسمیں ہیں۔ پہلی قسم وہ ہے جو حروف صحیحہ کی آواز کہلاتی ہے، جیسے ب، پ، یا P, B وغیرہ کی آوازیں۔ دوسری وہ آوازیں جو جوف دہن سے نکالی جاتی ہیں اور حروف علّت کی آوازیں کہلاتی ہیں، جیسے اَو، اُو ای، اَے، آ وغیرہ۔ حروف صحیحہ کی آوازیں حنجرہ کی کسی نہ کسی جگہ سے شروع ہوتی ہیں لیکن یہ کسی طرح ممکن نہیں کہ ان کو دوسری قسم کی آوازوں سے ملائے بغیر ادا کیا جاسکے۔ ان کی ادائی دو طرح ہوتی ہے، اول حروف علّت کی آواز سے شروع ہوکر حرف صحیح پر ختم ہوتی ہے، جیسے اب، آب وغیرہ دوسری طرح حرف صحیح سے شروع ہوکر حرف علّت پر ختم ہوتی ہے، جیسے بِ بَا وغیرہ۔

اب ذرا غور فرمائیے تو معلوم ہوگا کہ مختلف زبانیں صحیح حروف کی آوازوں میں بہت زیادہ اختلاف رکھتی ہیں، مثلاً ع، ح، ض، ظ وغیرہ آپ کو آرین گروپ کی زبانوں میں نہیں ملتے، اسی طرح پ، چ، ژ، گ، ٹ، ڈ، ڑ آپ سامی زبانوں میں نہیں پاسکتے مگر جوف دہن سے پیدا ہونے والی آوازوں یعنی حروف علّت کے معاملہ میں کم وبیش تمام زبانیں برابر ہیں۔ سب ہیں معمولی اختلاف کے ساتھ یہ آوازیں پائی جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ رسم الخط کے مسئلہ پر غور کرتے ہوئے حروف صحیحہ کی کمی بیشی کو کوئی خاص اہمیت نہیں دی جاسکتی کیونکہ کوئی زبان اپنے

ان حروف میں اختصار نہیں کر سکتی، چار و ناچار ان حروف کو رکھنا ہی پڑے گا۔ مثلاً اردو کے لیے اگر آپ لاطینی رسم الخط اختیار کر لیں تو بھی نون غُنّہ کے لیے آپ کوئی نہ کوئی نشان بنانے پر مجبور ہیں۔ رسم الخط میں تمام تر اہمیت ان ہی حروف علت اور ان کی آوازوں کو دی جاتی ہے کیونکہ تمام دوسرے حروف کی آوازوں کی ادائی کا دار و مدار ان ہی حروف کی آوازوں پر ہے۔

ان حروف کے لیے مختلف خطوں میں مختلف قاعدے بنائے گئے ہیں۔ مگر بد قسمتی سے کسی زبان کا قاعدہ بھی پوری طرح مکمل و درست نہیں۔ بعضوں نے اس کے لیے حروف مقرر کیے ہیں، جیسے لاطینی رسم الخط میں پانچ واولز (Vowels) ہیں۔ لیکن دقت یہ پڑتی ہے کہ ان حروف میں ہر ایک سے کئی کئی آوازیں پیدا کیے بغیر کام نہیں چلتا بلکہ بڑی حد تک سماعیات اور تقالید پر بھروسہ کرنا پڑتا ہے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ حرف (U) Tube, Put اور Burn میں ایک دوسرے سے بالکل مختلف آوازیں دیتا ہے اور اختلاف کے لیے کوئی کُلّی قاعدہ موجود نہیں۔ بعض خطوں میں ان کے لیے نشانات مقرر کیے گئے ہیں جیسا کہ ناگری میں ہے۔ لیکن ان میں بھی وہی دقت پیدا ہوتی ہے، نقوش آواز کا اور آواز نقوش کا ساتھ نہیں دیتی۔ تلنگی، کنڑی، ملیالم اور برمی میں بھی یہی عیب ہے۔ اب سب سے کم بُری شکل یہی رہ جاتی ہے کہ ان آوازوں سے موٹے موٹے فرق کے لیے تو نشانات مقرر کر لیے جائیں اور اس کی پابندی کی جائے کہ نقوش اور آواز کی ترتیب میں فرق نہ ہونے پائے۔ باقی اختلافات کے لیے کسی حد تک سماعیات پر بھروسہ کیا جائے۔ اس میں کئی طرح کے فائدے ہیں۔

لکھنے اور پڑھنے میں محنت کم صرف ہوتی ہے۔ کاغذ اور قلم کی خدمت بھی نسبتہً کم رہ جاتی ہے۔ اس وقت یہی طریقہ تمام ان زبانوں میں رائج ہے جو سامی خط میں لکھی جاتی ہیں، مثلاً عبری، آرامی، سریانی، عربی، اُردُو، فارسی، پشتو، کمک، کردی، ملائی، نوبین وغیرہ۔

تعلیم بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ لاطینی حرف مفرد صورت میں لکھے جاتے ہیں، اس لیے اس کی تعلیم اُردُو حروف کی تعلیم سے زیادہ آسان ہوگی اور یہ آسانی ہوگی کہ بچوں کو بہت ہی کم شکلیں یاد کرنی پڑیں گی، حالانکہ واقعہ اس کے بالکل برخلاف ہے۔ اگر اُردُو کے لیے لاطینی رسم الخط اختیار کر لیا گیا تو بچوں کو اُردُو مفرد حروف اور جوڑوں سے کہیں زیادہ اشکال یاد کرنی پڑیں گی۔ اس وقت لاطینی حرف کی تعداد (۲۶) ہے۔ ان میں کم سے کم غ، خ، ت، ڑ، د، ش، چھ حرفوں کا اضافہ کیجیے تو ان کی تعداد ۳۲ ہوگئی، دو حرف C، X ہمارے لیے بے کار ہیں ان کو نکال دیجیے۔ باقی رہ گئے (۳۰) ان میں سے حروف علت کے ۱۶ نشانات کا اضافہ کیجیے کل (۴۶) اشکال ہوئیں۔ ہر ایک کے چھوٹے Small اور بڑے Capital حروف ہوں گے، (۹۲) شکلیں ہو گئیں، اس کے بعد لکھنے کے حروف اور ہوں گے اور طباعت کے اور، تو یہ تعداد (۱۸۴) ہوتی ہے، ہر ہندستانی بچّے کو ۱۸۴ شکلیں حروف کی یاد کرنی پڑیں گی۔ پھر یہ شکلیں ایک دوسرے سے اتنی مختلف ہوں گی کہ آپ یکسانی کا خیال بھی نہیں کر سکتے۔ D اور d، G، g میں جو اختلاف ہے وہ دیکھ لیجیے۔

آپ کسی بچّے کو اُردُو کا قاعدہ پڑھا دیں اس کے بعد کوئی خوش خط

لکھی تحریر دے دیں، صاف پڑھ دے گا۔ لیکن اس کا اندازہ
کرنے کے لیے ہمیں عمروں کے تفاوت کو خیال میں رکھنا چاہیے،
بڑی عمر کے افراد انگریزی حروف اگر آسانی سے سیکھ سکتے ہیں تو
اُردو حروف اس سے کہیں زیادہ آسانی سے سیکھ لیتے ہیں، اُردو میں
حروف کے جو جوڑ زیادہ استعمال ہوتے ہیں ان میں شاید ہی کوئی ایسا جوڑ
ہو جو اپنے اصل مفرد حرف سے بہت زیادہ مشابہت نہ رکھتا ہو۔ اس کی
وجہ سے یاد کرنے میں بڑی آسانی ہوتی ہے، اس کے سوا اُردو حروف کی
شکلوں میں نمایاں آسانی پائی جاتی ہے، ج، ح، خ، ب، پ، ت، ٹ،
ث وغیرہ ہیں دیکھ لیجیے۔ یہ یکسانی تعلیمی نقطۂ نظر سے بڑی گراں قدر چیز ہے۔
حافظہ پر بہت ہی کم بار ڈالنے کی ضرورت ہوتی ہے اور بچہ آسانی سے
حروف کی شکلیں یاد کر لیتا ہے۔ اس کے برخلاف لاطینی رسم الخط میں اس
قسم کی یکسانی آپ نہیں پا سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ بچے اُردو حروف کو انگریزی
حروف کی بہ نسبت جلدی اور آسانی سے یاد کر لیتے ہیں

میں نے کچھ دنوں خوش نویسی کی مشق کی ہے۔ اور اس موضوع پر جو
کتابیں لکھی گئی ہیں انھیں بھی دیکھا ہے۔ آپ بھی ملاحظہ فرمالیجیے۔ صرف
چار طرح کی مختلف لکیروں اور تین قسم کے نقطوں سے اُردو کے سارے
حروف بن جاتے ہیں۔ مسٹر ایشور چندر ودیا ساگر مشہور بنگالی معلم نے
اپنی کتاب میں انگریزی حروف کی مشق کے لیے اسی طرح کے خطوط سے
کام لینا چاہا مگر کامیاب نہ ہو سکے۔ ۱۹ قسم کے خطوط قائم کرنے پڑے،
مگر پھر بھی اس کے ذریعے انگریزی کے تمام حروف کی مشق ممکن نہ ہوئی۔
لاطینی حروف میں ایک بات یہ بھی تعلیمی اعتبار سے قابل لحاظ ہے کہ

ان کی شکلیں اُردو حروف کی بہ نسبت زیادہ الجھی ہوئی ہیں، جو یاد رکھنے میں خاصی تکلف دہ ثابت ہوتی ہیں۔ ش اور Sh، ز، Z، گ اور G میں جو فرق اس اعتبار سے ہے، ملاحظہ فرمالیجیے۔

طباعت طباعت کی آسانیوں کا خیال کر کے لاطینی رسم الخط اختیار کرلیے جانے کی جب تجویز پیش کی جاتی ہے تو پیش کرنے والے احباب کی نیتیں خیر کی ہوتی ہیں، اور وہ دل سے چاہتے ہیں کہ انگریزی طباعت کی طرح اُردو میں بھی طباعت کا کام آسان ہوجائے اور اُردو زبان کی ترقی میں اس کا جو اثر ہوگا وہ ظاہر ہے۔ لیکن اس مسئلہ پر بھی غور کرلینا چاہیے کہ حروف کی تعداد اُردو کے لیے اتنی ہی نہیں رہے گی جتنی انگریزی زبان کے لیے مستعمل ہے

اُردو کا پریس بلاشبہہ بہت بُری حالت میں ہے۔ جدید ترین آلات طباعت سے فائدہ نہیں اٹھایا جاتا ہے۔ اس کی وجہ اُردو کا رسم الخط نہیں بلکہ لیتھو کی طباعت ہے۔ پتھر کی طباعت کو چھوڑ دیجیے۔ نسخ ٹائپ خوبصورت سے خوبصورت ہر طرح کے دنیا میں تیار ملتے ہیں، خود ہندستان میں بھی بیسیوں جگہ تیار ہوتے ہیں، ان سے فائدہ اٹھایئے۔ ساری دقتیں ختم ہوجائیں گی۔ لینوٹائپ، انٹرٹائپ، روٹری پریس سب کچھ آسانی سے تیار ہوسکتے ہیں۔ اس کے لیے رسم الخط بدلنے کی ضرورت نہیں۔ مصر کو دیکھیے پریس نے کس قدر ترقی کرلی ہے۔ مصور اخبارات ورسائل، ۱۶ بلکہ ۱۸ بڑے بڑے صفحات کے روزنامے ہزاروں سے متجاوز تعداد میں چھپتے ہیں۔ اسی عربی رسم الخط میں تمام جدید سے جدید آلات طباعت سے کام لیا جارہا ہے۔ اسی طرح جاپانی پریس کی حالت پر غور فرمایئے۔ رسم الخط ناقص ترین، مگر لاطینی رسم الخط اختیار کیے بغیر

فن طباعت نے وہاں اتنی ترقی کر لی ہے کہ ایشیا تو ایشیا یورپ کے بھی کم ممالک مقابلہ میں پیش کیے جا سکیں گے۔

اُردو طباعت کے متعلق شکایت ہے کہ دو چار ہزار فرمے نکالنے کے بعد حروف چھن جاتے ہیں۔ بڑی تعداد میں کچھ چھاپنا ممکن نہیں، تصحیح اچھی طرح نہیں ہو سکتی، کہیں پر سے کوئی سطر یا پیراگراف نکالنا ہو تو آسانی کے ساتھ نہیں ہو سکتا، تصاویر مضامین کے ساتھ نہیں چھپ سکتیں، جلد کتابت نہیں ہوتی، کتابت میں یکسانی نہیں رہتی، سلف کمپوزنگ مشینوں سے فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا۔ ان شکایتوں پر غور فرمایئے، شکایتیں بالکل درست ہیں۔ لیکن ان کا بار پتھر کی چھپائی پر پڑنا چاہیے نہ کہ رسم الخط پر، رسم الخط کا اس میں کوئی قصور نہیں۔ اگر لاطینی رسم الخط کو بھی آپ لیتھو میں چھاپیں تو یہی دقتیں رہیں گی۔

اگر اُردو کے لیے نسخ اُردو ٹائپ کی طباعت اختیار کر لی جائے تو لاطینی حروف کی بہ نسبت زیادہ کارآمد اور مفید ہوگی۔ نسبتاً سستی بھی پڑے گی، کاغذ کم صرف ہوگا، کمپوزیٹر کو کام کم کرنا پڑے گا۔ مثلاً ایک لفظ "بشیر" کو لیجیے اس کے لیے اُردو میں کمپوزیٹر کو چار مرتبہ ہاتھ چلانا پڑے گا | بـ | شـ | یـ | ر | (۱، ۲، ۳، ۴) مگر لاطینی میں سات بار حرف اٹھانا ہوگا | B | A | S | H | E | E | R | (۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱) ظاہر ہے کہ محنت اور کاغذ زیادہ صرف ہوں گے اور کتاب گراں پڑے گی۔

میں نے ایک مشہور پریس سے ایک رسالہ کی طباعت کے متعلق اخراجات کا تخمینہ طلب کیا تھا کہ یہ رسالہ اُردو ٹائپ میں طبع کیا جائے تو اخراجات کیا ہوں گے اور اگر اسے لاطینی (رومن) میں چھاپا جائے تو کیا خرچ ہوگا؟ معلوم ہوا کہ اُردو ٹائپ کی بہ نسبت رومن میں ۲۰ فیصدی اخراجا

بڑھ جائیں گے، کچھ تو کاغذ زیادہ صرف ہوگا اور کچھ اجرت تسطیر حروف (کمپوزنگ) زیادہ ہوگی۔ تسطیر کی اجرت کارندے کی کارگزاری پر ہوتی ہی اور جو عبارت اُردو کے ایک صفحہ میں آتی ہی، وہ رومن کے تقریباً دو صفحات میں آئے گی۔ چونکہ انگریزی حروف کی اجرت تسطیر نسبتاً کم ہوتی ہی اور اُردو کی زیادہ، اس لیے اضافہ صرف ۳۰ فی صدی ہوا ورنہ کہیں اجرتیں برابر ہوتیں تو لاگت تقریباً ۵۰ فی صدی بڑھ جاتی۔ اس کمی بیشی کا خیال رکھتے ہوئے غور فرمائیے کہ ہمارے لیے تجارتی حیثیت سے کون سا رسم الخط مفید ثابت ہوگا اور کس میں کتابیں سستی تیار ہوسکیں گی؟

عام ضروریات

عام ضروریات تمدن کا لحاظ کرتے ہوئے بھی کسی رسم الخط پر غور کیا جانا چاہیے۔ مثلاً رسم الخط میں یہ ضرور دیکھنا چاہیے کہ تیزی کے ساتھ لکھا اور پڑھا جاسکتا ہی یا نہیں۔ آپ کو معلوم ہی کہ مختصر نویسی کی ابتدا صرف انھی ضروریات کی بنا پر ہوئی۔

کسی خط کے لکھتے وقت قلم کو جتنا زیادہ کام کرنا پڑے گا اتنا ہی زیادہ وقت محنت اور کاغذ صرف ہوگا۔ دنیا میں مختصر نویسی کی بنیاد اسی اصول پر ہی اور ہمیشہ مختصر نویسی میں بڑے بڑے الفاظ تک کے لیے چھوٹے سے چھوٹے نقوش بنانے پر زور دیا جاتا ہی۔ میں سمجھتا ہوں کہ اُردو اور لاطینی رسم الخط کا اس حیثیت سے مقابلہ کرنے کی مجھے کوئی ضرورت نہیں، ہر وہ شخص جو دونوں رسم الخط سے واقف ہی، اچھی طرح جانتا ہی کہ لاطینی حروف زیادہ جگہ، زیادہ محنت اور زیادہ وقت لیتے ہیں، اس لیے اُردو کی بہ نسبت لاطینی حروف لکھنے میں قلم کو دوگونہ خدمت انجام دینی پڑتی ہی مثال کے طور پر اخبار "رہبر دکن" کے نام کو دیکھ لیجیے۔ رہبر دکن Rahbar-i-Dakkan

عام ضروریات کے سلسلے میں ایک سوال ہندستان کے ہمسایہ ممالک سے تعلقات کا بھی آتا ہے۔ ہندستان کے ہمسایہ ممالک میں سے اکثر میں عربی رسم الخط رائج ہے، لیکن عجیب بات ہے کہ بابو سوباش چندر بوس صدر کانگرس نے اپنے خطبۂ صدارت میں اسی بات کو لاطینی رسم الخط اختیار کیے جانے کی دلیل میں پیش فرمایا۔ آپ نے ہری پورہ کانگرس میں خطبۂ صدارت دیتے ہوئے فرمایا کہ ہمیں بہر حال اپنے گرد و پیش کے ممالک سے تعلقات قائم کرنا ہیں اس لیے لاطینی رسم الخط اختیار کر لینا چاہیے۔

مجھے اس سے اتفاق ہے کہ ہمسایہ ممالک سے مادّی و معنوی، تجارتی و اقتصادی تعلقات کو ہمیں نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ بہر حال ہمیں ایک زندہ قوم کی طرح زندہ رہنا ہے اور زندہ قومیں دوسرے ممالک سے ہر زمانے میں بہت کچھ لیتی دیتی رہتی ہیں۔ سینکڑوں الفاظ، بیسیوں قواعد، ہزاروں عادات اور لاکھوں قسم کی اشیائے تجارت اسی طرح منتقل ہوتی رہتی ہیں۔ کوئی قوم اپنے ہمسایہ ممالک سے کٹ کر زندہ نہیں رہ سکتی۔ سوال یہ ہے کہ ہندستان کے گرد و پیش کے وہ کون سے ممالک ہیں جہاں لاطینی رسم الخط رائج ہے، شام میں، عراق میں، لبنان میں، ایران میں، افغانستان میں، سواحل خلیج فارس میں، تبت میں، چین و جاپان میں، یہی وہ ممالک ہیں جو ہندستان کے قریب ترین ممالک کہے جا سکتے ہیں، ان میں سے کہیں بھی لاطینی رسم الخط رائج نہیں بلکہ اکثر جگہ عربی رسم الخط جاری ہے

بلا شبہہ اس وقت تمدن کا مرکز یورپ اور یورپ کا رسم الخط لاطینی ہے، لیکن افریقہ و ایشیا کے آزاد و نیم آزاد ممالک میں وطنی احساسات جس تیزی کے ساتھ انقلابات پیدا کر رہے ہیں وہ سب جانتے ہیں۔ ایران نے

فارسی کے علاوہ دوسری زبانوں کا استعمال ممنوع قرار دیا مصر میں دوسری زبانوں کا استعمال دفاتر میں ممنوع ہے، حتیٰ کہ نہر سویز کے دفتر کو بھی عربی میں مراسلت کرنے پر مجبور کیا گیا۔ عراق میں دفاتر سے دوسرے حروف و زبان رخصت کر دی گئی، شام و لبنان میں عربی کے علاوہ دوسری زبان کو تسلیم نہیں کیا جاتا۔ یہی حال افغانستان کا ہے کہ سرکاری طور پر فارسی کے سوا دوسری مسلّم نہیں۔ حبشہ کی سرکاری زبان عربی قرار پائی، طرابلس، برقہ اور سمالی لینڈ میں پہلے ہی سے تھی۔ غرض کہ تمام وہ ممالک جہاں عربی رسم الخط رائج ہے، لاطینی بدر کر رہے ہیں۔ ہم سے قریب ترین براعظم افریقہ ہے جہاں کا عمومی رسم الخط عربی ہے، ایشیا میں شمال مشرقی ایشیا کے علاوہ تمام عربی رسم الخط رائج ہے، روس کے ایشیای مقبوضات کے بڑے حصّے میں یہی رسم الخط ہے۔
اس وقت مندرجہ ذیل زبانیں عربی رسم الخط میں لکھی جاتی ہیں۔

عربی، فارسی، اُردو، پشتو، بلوچی، سندھی، اھری، کریمی، ہوسنہ، جاوی، قازانی (روس) کمک، کردی، ملالی، میندنیگو، نوبین اور نوگائی۔

ان میں ایک عربی ہی کو لیجیے۔ مغربی ایشیا اور افریقہ کے بڑے حصے پر چھائی ہوئی ہے ان ممالک میں یورپین کمپنیاں بھی ہیں لیکن اشتہارات اور مقامی کاروبار عربی میں کرتی ہیں۔ اس لیے ہمارا یہ خیال صحیح نہیں ہو سکتا کہ لاطینی حروف اختیار کر لینے سے ہمسایہ ممالک سے تعلقات قائم کرنے میں ہمیں آسانی ہوگی، بلکہ اس حیثیت سے تو موجودہ اُردو رسم الخط کا باقی رکھنا ہی سب سے بڑی دانائی ہوگی ؞